بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

جلد نمبر ۸۱　ماہ جولائی و اگست ۲۰۱۳ء مطابق رمضان و شوال ۱۴۳۴ھ　شمارہ نمبر ۷-۸

مدیر: خلیل الرحمان سجاد نعمانی
E-mail : ilm.zikr@yahoo.com

اس شمارہ میں

	مضامین	مضامین نگار	صفحہ نمبر
۱	نگاہ اولیں	مدیر / مولانا سلامت اللہ ندوی	۳
۲	محفل قرآن	مولانا عتیق الرحمن سنبھلی	۱۰
۳	ماہ رحمت	حضرت مولانا محمد منظور نعمانی	۱۷
۴	رمضان المبارک۔ انوار و انعامات	حضرت ڈاکٹر عبد الحی عارفیؒ	۳۵
۵	فریضۂ صیام کی حکمتیں	حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ	۴۴
۶	خطاب عید الفطر	حضرت مولانا محمد منظور نعمانی	۵۱
۷	زندگی کی پریشانیوں کا حل.....	حضرت مولانا ذو الفقار احمد نقشبندی	۶۲
۸	سود اور اس کا متبادل	حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی	۷۲
۹	عورتوں کی اخلاقی برائیاں	سیدہ امۃ اللہ تسنیم صاحبہؒ	۹۱
۱۰	انسانی سیرت و کردار کی خوبیاں (سورۂ یوسف کی روشنی میں)	خلیل الرحمن سجاد نعمانی	۹۷

ضروری اعلان

مختلف مقامات میں ماہنامہ الفرقان کی توسیع اشاعت کے ذمہ دار حضرات کے نام اور فون نمبر نیچے لکھے جارہے ہیں ان مقامات نیز قرب وجوار کے حضرات ان سے رابطہ قائم کریں۔

مقام	نام	فون نمبر
۱۔ بڑودہ (گجرات)	مفتی محمد سلمان صاحب	+91-9898610513
۲۔ مالیگاؤں (مہاراشٹرا)	مفتی حسنین محفوظ صاحب	+91-9226876589
۳۔ بیلگام (کرناٹک)	مولانا تنویر صاحب	+91-9880482120
۴۔ بیڑ (مہاراشٹرا)	قاسمی بکڈپو طہٰ بکڈپو الطاف بکڈپو	+91-9960070028 +91-9326401086 +91-9325052414-9764441005
۵۔ گورکھپور (اترپردیش)	مکتبہ ناصر	+91-9451846364
۶۔ جالنا (مہاراشٹرا)	محمد اظہر	+91-9225715159

مرتب: یحییٰ نعمانی

ناظم شعبۂ رابطہ عامہ : بلال سجاد نعمانی
E-mail: nomani_sajjadbilal@yahoo.com

☆ سالانہ زرتعاون، برائے ہندوستان: (سادہ ڈاک) عمومی -/Rs.200

☆ سالانہ زرتعاون برائے ہندوستان: (بذریعہ وی پی[۱]) عمومی -/Rs.230

۱ اس صورت میں پہلے سے زرتعاون بھیجنے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ رسالہ وصول کرتے وقت ڈاکیہ کو مطلوبہ رقم ادا کرنی ہوتی ہے، مگر خیال رہے کہ وی پی نہ وصول ہوئی تو ادارہ کو -/Rs.40 کا نقصان ہوتا ہے

☆ سالانہ زرتعاون برائے بیرونی ممالک (بذریعہ ہوائی جہاز) -/20 پاؤنڈ -/40 ڈالر

لائف ممبر شپ: ہندوستان: سادہ ڈاک -/Rs.8000۔

بیرونی ممالک: -/600 پاؤنڈ -/1200 ڈالر۔

برطانیہ میں ترسیل زر کا پتہ : **Mr. RAZIUR RAHMAN**
90-B HANLEY ROAD. LONDON N4 3DW U.K
Fax & Phone:020 72721352. Email:furqanpublications@googlemail.com

ادارہ کا مضمون نگار کی فکر سے اتفاق ہونا ضروری نہیں۔

خط وکتابت اور ترسیل زر کا پتہ

ماہنامہ الفرقان
۱۱۴/۳۱ نظیر آباد لکھنؤ۔
پن-۲۲۶۰۱۸- یوپی، انڈیا۔ فون نمبر:

MonthlyALFURQAN
114/31, NAZIRABAD LUCKNOW
Pin-226018- U.P INDIA
Ph:0522-4079758
e-mail : monthlyalfurqanlko@gmail.com

دفتر کے اوقات صبح ۱۰ بجے سے ۱ بجکر ۳۰ منٹ بعد ظہر: ۲ بجے سے ۵ بجکر ۳۰ منٹ تک

اتوار کو آفس بند رہتا ہے۔۔۔۔۔

خلیل الرحمن سجاد کے لیے پرنٹر پبلیشر محمد حسان نعمانی نے کاکوری آفسیٹ پریس کچہری روڈ لکھنؤ میں چھپا کر دفتر الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا۔

نگاہِ اولیں

مدیر/ مولانا سلامت اللہ ندوی

برصغیر کے اکابر علماء، بالخصوص دارالعلوم دیوبند کے ارکانِ شوریٰ کی خدمت میں ایک اہم گزارش

گزشتہ سال رمضان و شوال ۱۴۳۳ھ کے مشترکہ شمارہ کا نگاہ اولیں جو..... وقتِ دعا ہے کے زیر عنوان لکھا گیا تھا، اگر آپ کے پاس وہ شمارہ محفوظ ہو یا آپ انٹرنیٹ پر وہ شمارہ پڑھ سکتے ہیں تو میری گزارش ہے کہ آپ اُس کے ادارتی صفحات کا مذکورہ مضمون ایک بار پھر پڑھ لیں۔ بلکہ اسکے بعد والے شمارے (اکتوبر ۲۰۱۲ء، ذیقعدہ ۱۴۲۴ھ) کا اداریہ بھی پڑھ لیں۔

اول الذکر شمارے کے اداریہ کا آغاز اس طرح ہوا تھا:

''چودھویں صدی ہجری رخصت ہو رہی تھی، اور پندرھویں صدی کی آمد آمد تھی کہ ایک شور بپا ہوا کہ اسلام کے غلبہ کا دورِ ثانی شروع ہوگیا، یہ شور ایران سے اٹھا تھا جہاں دیکھتے ہی دیکھتے جبہ و دستار سے آراستہ بظاہر ایک خالص مذہبی شخصیت آیۃ اللہ خمینی، ایک زبردست عوامی تحریک کے ذریعہ، انقلاب برپا کرنے میں کامیاب ہوئی اور مغربیت کے نمائندے شاہ ایران کو صرف اقتدار سے دست بردار ہی نہیں، ملک بدر بھی ہونا پڑا۔

اس وقت پوری دنیا کے مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد کا اس انقلاب کی خبر سن کر خوشی کا جو عالم تھا اور اس کے اور رہبر انقلاب امام خمینی کے بارے میں حسن ظن بلکہ حسنِ اعتقاد کے اعتبار سے جو حال تھا آج اس کا تصور کرنا بھی آسان نہیں ہے، لاکھوں بلکہ کروڑوں کی تعداد میں وہ عام مسلمان جن کے دلوں میں اسلام کی سربلندی کی تمنا عرصہ سے کروٹیں لے رہی تھی اور پے در پے ہزیمتوں اور حادثوں کی وجہ سے جن کے دل و دماغ کہیں سے کوئی اچھی خبر سننے کے لئے بے چین و بے قرار تھے، فطری طور پر انھوں نے آگے بڑھ کر اس نئی اسلامی طاقت اور اس کے ''رہبرِ انقلاب'' کا پر جوش خیر مقدم کیا اور نیک توقعات اور خوشی کے احساسات سے اپنے غمگین دل کو شاد کرلیا۔

عام مسلمانوں کے اس تاثر کو بے پناہ تقویت اس زبردست پروپیگنڈے سے مل رہی تھی جو

غیر معمولی طاقت اور مہارت کے ساتھ پوری دنیائے اسلام میں کیا جارہا تھا کہ ایران میں بپا ہونے والا یہ انقلاب خالص اسلامی ہے، یہ ہرگز کسی مخصوص فرقہ کا انقلاب نہیں ہے، خاص طور پر انقلاب کا یہ نعرہ پوری دنیا کے مسلمانوں کو مسحور کئے جا رہا تھا، ثورۃ اسلامیۃ، لاشرقیۃ ولاغربیۃ، لاشیعیۃ ولا سنیۃ —— ایرانی قیادت کی طرف سے جو پروپیگنڈا انقلاب کی خالص اسلامیت کے سلسلے میں کیا جارہا تھا اس پر مستزاد تھا عرب وعجم کی مختلف اسلامی تحریکوں، تنظیموں، اور اقامتِ دین واحیائے خلافت کے لئے کام کرنے والی جماعتوں اور انجمنوں کا یہ رویہ کہ وہ بڑے ہی جوشیلے اور والہانہ انداز سے اس پروپیگنڈے کی آمنا و صدّقنا کہہ کر تصدیق کر رہی تھیں، اور اپنی پوری طاقت لگا کر دنیا بھر کے مسلمانوں کو یہ باور کرا رہی تھیں کہ رہبر انقلاب ایک روایتی شیعہ عالم نہیں، وہ ایک وسیع المشرب انقلابی رہنما ہیں اور شیعہ سنی اتحاد کے علمبردار ہیں۔۔۔وغیرہ وغیرہ۔۔۔

اس مضمون میں آگے چل کر قدرے تفصیل کے ساتھ لکھا گیا تھا کہ ٹھیک اسی دور میں صاحب الفرقان حضرت مولانا منظور نعمانی کے دل ودماغ پر صورت حال کی تحقیق کا ایسا شدید داعیہ پیدا ہوا کہ شدید ضعف ونقاہت اور مختلف امراض وعوارض میں مبتلا ہونے کے باوجود انہوں نے سال بھر تک انقلاب کی حقیقی نوعیت اور اس کی فکری ومذہبی بنیادوں، اور قائد انقلاب کے اصل عزائم کو براہ راست سمجھنے کے لئے ہزارہا ہزار صفحات کا شب وروز مطالعہ کیا، اور پھر انہوں نے اپنی عہد آفریں کتاب ایرانی انقلاب، امام خمینی اور شیعیت، میں اپنے مطالعہ کا حاصل خالصۃً علمی ومعروضی انداز میں ملت اسلامیہ کے سامنے پیش کر دیا۔

گزشتہ سال کے اپنے مذکورہ اداریہ میں جس کے کچھ اقتباسات سطور بالا میں نقل کئے گئے ہیں راقم الحروف نے خود اس کتاب کے اہم مباحث کا نچوڑ اور حاصل بھی شدید اختصار کے ساتھ پیش کر دیا تھا، اور اس کے علاوہ اسی زمانے میں ہمارے برادرِ بزرگ مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی صاحب نے خود ایران جا کر جو کچھ دیکھا تھا، اور اس سے جو نتائج اخذ کئے تھے اور جو انہوں نے الفرقان ہی کے ذریعہ ملت اسلامیہ کے سامنے رکھے تھے، اس کے اہم اجزاء کا تذکرہ بھی راقم الحروف نے اپنے مذکورہ اداریہ میں کیا تھا، نیز یہ بھی عرض کیا تھا کہ ان دونوں حضرات نے بڑی صراحت کے ساتھ اپنا یہ یقین بھی ظاہر کر دیا تھا کہ ''ایرانی انقلاب'' کا اصل نشانہ حرمین شریفین ہیں، اور آج نہیں تو کل حرمین شریفین پر قبضہ کرنے کی کوشش ایرانی قیادت ضرور کرے گی'' بلکہ صاحب الفرقان نے تو حرمین شریفین کی سرکردہ مذہبی شخصیتوں کو اس خطرے سے آگاہ کرنے کے ارادے سے شدید ضعف بلکہ معذوری کی حالت میں وہاں کا ایک سفر بھی کیا تھا

۔۔۔۔لیکن عالم عرب اُس وقت اِس فقیر بے نوا کی بات نہ سن سکا......فالی اللہ المشتکی۔

یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا وہ دراصل خلاصہ ہے گزشتہ سال کے ایک اداریہ کے ایک حصّے کا،
اب آج کی صحبت میں جو کچھ مختصراً عرض کرنا ہے وہ یہ ہے کہ عالم عرب کی سب سے مضبوط اسلامی تحریک ''الاخوان المسلمون'' کی قیادت بھی ماضی قریب تک اس صورت حال کو ٹھیک سے نہیں سمجھ پا رہی تھی مگر ادھر کچھ عرصہ سے وہ لوگ صورت حال کو سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے، ان کے رسائل ومجلّات اس سلسلے میں اپنی تشویش کا کھلم کھلا اظہار کرنے لگے تھے۔ یہاں تک کہ چند دن پہلے علامہ یوسف قرضاوی نے اس سلسلے میں اپنے ایک خطاب میں اپنی غلطی کا کھلم کھلا اعتراف کیا ہے، اور شیعیت اور لبنان کی حزب اللہ تنظیم کے بارے میں اپنے نئے اور واضح موقف کا اعلان کیا ہے —— یاد رہے کہ شیخ قرضاوی عالم اسلام کے تحریکی حلقوں میں خصوصًا ''الاخوان المسلمون'' میں سب سے زیادہ عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے ھیں ،اور ایک درجہ میں یہ حلقے انہیں اپنا امام ورہبر سمجھتے ھیں۔

حقیقت یہ ہے کہ سوریا (ملک شام) میں جس طرح شیعیت بے نقاب ہوکر سامنے آ گئی ہے اس سے پوری امت مسلمہ کو آگاہ ہوجانا چاہئے۔ جان لینا چاہئے کہ اگر اس معرکے میں شیعیت کو کامیابی ملتی ہے تو پھر پورا عالم اسلام اور اس کے مقدس مراکز اس آگ کی لپیٹ میں آکر رہیں گے۔ ضرورت ہے کہ اس بارے میں علمی طور پر قادیانیت کی طرح کا مضبوط موقف اختیار کیا جائے اور عملی طور بھی اس خطرے کا بھرپور مقابلہ کیا جائے۔

بہت اہم اور توجہ طلب بات یہ کہ حالات کے تازہ ترین موڑ نے اس کے امکانات پیدا کردئے ھیں کہ جو آواز ابھی تک زیادہ تر صرف برصغیر کے علماء بالخصوص جماعت دیوبند سے تعلق رکھنے والے علماء تک محدود تھی اسے پوری امت کا متحدہ موقف بنا دیا جائے۔

اس عظیم اور انقلاب آفریں کام کے لئے ہماری نگاہ دارالعلوم دیوبند ہی کی طرف اٹھتی ہے۔ راقم الحروف گزارش کرتا ہے کہ وہاں کے ارباب حل وعقد اس موضوع پر پہلے ایک بہت محدود مشاورتی نشست بلائیں، اور پھر عالمی سطح کا کوئی اجتماع منعقد کریں اور پوری امت مسلمہ بالخصوص عالم عرب کے علماء وقائدین کے سامنے اس موقف کو پیش کریں جس تک، اللہ کی توفیق سے برصغیر کے علماء بالخصوص جماعت دیوبند کے فضلاء بہت پہلے پہنچ چکے تھے۔ نیز تمام ہی قارئین کرام سے گزارش ہے کہ سوریا ولبنان اور پورے عالم

اسلام کے لئے، خصوصًا ماہ مبارک میں انفرادی واجتماعی دعاؤں کا زیادہ سے زیادہ اہتمام فرمائیں امید ہے کہ بعجلت لکھی گئی اس تحریری گزارش یا تجویز پر ہمارے اکابر دار العلوم سنجیدگی سے غور فرمائیں گے ۔

ایک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

۲۳/رجب / ۲ جون بروز اتوار شام ۷ بج کر ۴۰ منٹ پر گذشتہ چالیس سالوں سے جدائی کا دردِ اشتیاق بیان کرنے والی ایک درد بھری آواز خاموش ہوگئی ۔یعنی شارحِ مثنوی عارف باللہ حضرت مولانا شاہ حکیم اختر صاحب، اس جہان فانی سے کوچ کر گئے ،حضرت حکیم صاحب کی ساری زندگی ،مولانا روم کے اس شعر کی ترجمانی تھی ؂

بشنو از نے چوں حکایت می کند و از جدائی با شکایت می کند

(بانسری سے نکلنے والی جدائی کی درد بھری آواز کو سنو، اپنے مرکز سے جدا ہو کر وہ فضاؤں میں کیسا درد بکھیر رہی ہے۔)

کبھی مثنوی کے درس میں محبوب حقیقی سے جدائی و فراق کا نغمہ چھیڑتے تو کبھی اس محبوب حقیقی سے محجوب کر دینے والے اسباب یعنی معصیت سے سننے والوں کے دلوں میں طبعی کراہیت و تنفر پیدا فرماتے ۔ ایک طویل عرصہ تک ایشیاء، افریقہ اور یورپ میں بسنے والے ہزاروں افراد کو اپنے انفاس قدسیہ سے گرماتے رہے، مردہ دلوں کی مسیحائی کرتے رہے، اس دور کے مہلک ترین فتنے یعنی بدنگاہی سے طبعی نفرت و کراہیت پیدا کر کے دلوں میں محبت الٰہی کی جوت جلاتے رہے۔

حضرت حکیم صاحب کے مواعظ کے دو مرکزی مضمون ہوا کرتے تھے، ایک بدنگاہی کے مہلک نتائج کا بیان، اپنی تمام تر بلند مقامی اور روحانی عروج کے باوجود مخلوق کی اصلاح کی خاطر انتہائی نزول فرما کر کھلے لفظوں میں بدنگاہی کے گھناؤنے پن کو بیان فرماتے ،حتی کہ کبھی کبھی اس گناہ کے گھناؤنے پن کو سمجھانے کے لئے ایسے الفاظ اور تعبیرات استعمال فرماتے جو بعض اہل ذوق کی طبیعت پر گراں گذرتیں ،لیکن ایک طبیب حاذق جانتا ہے کہ مریض کون سی زبان سمجھتا ہے اور اس کی شفا کا نسخہ کیا تجویز کرنا چاہئے ۔نہ جانے کتنے ایسے نوجوان ہوں گے جنھوں نے حکیم صاحب کے مواعظ کی برکت سے ہزاروں زلیخاؤں کے بیچ حضرت یوسفؑ جیسی پاکدامنی کی زندگی گذاری ہوگی، اس عاجز سے ایک نوجوان ڈاکٹر نے کہا تھا کہ

میڈیکل کالج کے پہلے سال حضرت مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی صاحب کی کتاب ''حیاء اور پاکدامنی'' اور حضرت حکیم صاحب کے چند مواعظ پڑھنے کی برکت سے اپنے پورے تعلیمی سالوں میں شاید ہی کبھی اُن سے بالقصد بدنگاہی کے گناہ کا ارتکاب ہوا ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ بدنگاہی اور ناجائز اور نقصان دہ محبتیں اس دور کے عالمی فتنوں میں سے ایک عالمی، ایمان سوز فتنہ ہے، حکیم صاحب نے اس مرض کو اپنا خاص موضوع بنایا اور اپنے مخصوص انداز و لہجے میں اس کی نجاست و گندگی اور اس کے مہلک اثرات کو خوب کھول کھول کر بیان فرمایا۔

اور حضرت حکیم صاحب کے مواعظ کا دوسرا مرکزی موضوع محبوب حقیقی سے جدائی کا نوحہ اور اس کے عشق و محبت کے سوز و گداز کا بیان ہے۔ حضرت حکیم صاحب کی طبیعت بچپن ہی سے مستانہ و عاشقانہ تھی ،حضرت والا فرماتے ہیں کہ بارہ سال کی عمر تھی ،جنگل کی ایک مسجد میں جا کر نماز پڑھتا اور آسمان کی طرف دیکھ کر مولانا روم کا یہ شعر پڑھتا جاتا اور روتا جاتا ؎

سینہ خواہم شرح شرح از فراق تا بگویم شرح از دردِ اشتیاق

اے اللہ آپ کی جدائی کے غم میں اپنا سینہ ٹکڑے ٹکڑے کر دینا چاہتا ہوں تا کہ آپ کی محبت کے درد اشتیاق کی شرح بیان کرسکوں۔ بچپن کی یہ معصوم تمنا پوری ہوئی ،صرف اپنے گاؤں، شہر، اور ملک ہی میں نہیں بلکہ جس کے غم میں سینہ ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا اس پاک ذات نے اپنے اس بندہ کو درد بھری آواز اور اس کا نغمۂ درد اشتیاق ملکوں ملکوں، شہروں شہروں سنانے کا موقع دیا۔ ان معصوم تمناؤں کے پورے ہونے ،دل میں محبت کی آتشِ فروزاں بھڑکانے اور نغمۂ درد اشتیاق کی لَے میں تاثیر پیدا کرنے کی صورت یہ ہوئی کہ ۱۷ سال کی عمر میں حضرت شاہ عبدالغنی صاحب پھول پوری کے آستانے پر پہنچ گئے ،اور متواتر ۱۸ سال تک ''یک در گیر محکم گیر'' کے مصداق حضرت پھولپوریؒ سے چمٹے رہے۔

حضرت پھولپوریؒ، حکیم الامت حضرت تھانوی کے محبوب خلفاء میں سے تھے۔ حضرت تھانوی، حضرت پھولپوری کی مجاہدانہ بلکہ سپاہیانہ زندگی کی ہمیشہ تعریف فرماتے تھے ،حضرت تھانوی ہی کے حکم پر حضرت پھول پوری نے پھول پور میں ایک مدرسہ شروع فرمایا تھا۔ حضرت حکیم صاحب نے اپنے شیخ کی مثالی خدمت کی ،فرماتے ہیں کہ شیخو پور کی خانقاہ میں ہم تین نفوس ہوا کرتے تھے ،ایک حضرت پھولپوری کی ذات اقدس ،دوسرے محترمہ اماں جان صاحبہ یعنی حضرت پھولپوری کی اہلیہ صاحبہ اور تیسرے حضرت کے

یہ خادم یعنی حضرت حکیم صاحب ۔ایک ملفوظ میں فرماتے ہیں ''میں وہی سکھارہاہوں جومیں نے اپنے بزرگوں سے سیکھاہے اور بڑی مصیبت ومشقت سے سیکھاہے،لیکن اللہ نے وہ مصائب میرے لئے آسان فرمادئے تھے،آپ اندازہ لگایئے جس نے اللہ کی محبت اس طرح سیکھی ہے صبح سے ایک بجے تک بغیر ناشتہ کے رہا،اور یہ ایک مہینہ دومہینے کے لئے نہیں تقریبادس سال تک،شیخ کی ایسی محبت میرے دل کواللہ تعالی نے عطافرمادی تھی کہ تمام مجاہدے آسان ہوگئے تھے،اگرمحبت نہ ہوتی تو بھاگ جاتا کہ یہ کیسی خانقاہ ہے جہاں پیٹ کا کوئی انتظام ہی نہیں،لیکن جب شیخ کوایک نظر دیکھتاتومعلوم ہوتا تھا کہ حاصلِ کائنات مل گیا،حضرت شہرسے دوررہتے تھےمگرگلستان معلوم ہوتے تھے۔''(افضال ربانی)

دن بھرخانقاہ کے سناٹے میں تنہابیٹھے رہتے ،اوررات کوحضرت پھولپوی کے ذکر بالجہر، دعاو مناجات اورمثنوی کے عاشقانہ اشعارسن کراپنے دل کی انگیٹھی گرماتے رہتے۔حضرت حکیم صاحب نے ایک بارپھریہ فرمایاتھاکہ:''میں بچپن میں یہ شعرپڑھتارہتااوررویاکرتاتھا''۔

آہ راجزآسماں ہمدم نبود	رازراغیرِ خدامحرم نہ شود

(اس جنگل وبیابان میں میری آہ وفغان کاکوئی مونس وغمخوارنہیں،سوائے آسمان کےاورمیرے دل میں چھپے محبت کےاس بھید کوسوائے میرے اللہ کےاورکوئی نہیں جانتا۔)

سفرترکی کے مجموعۂ ملفوظات الطاف ربانی میں جناب عشرت جمیل صاحب لکھتے ہیں:حضرت والابچپن ہی سے مولانارومی سے انتہائی محبت کرتے تھےاورفرمایاکرتے ہیں کہ میرے شیخ اول تومولانارومی ہیں جن سے مجھے اللہ کی محبت کادردحاصل ہوااورمثنوی سمجھنے کےشوق میں نابالغی ہی کے زمانے میں فارسی کی تعلیم حاصل کرناشروع کردی تھی،اورتنہائی میں مثنوی کے اشعارپڑھ کررویاکرتاتھا۔فرماتے ہیں،قونیہ کے سفرمیں میں نے وہ جنگل دیکھاہےجس میں مولانا روم نے اپنی ۲۸ ہزاراشعارپرمشتمل مثنوی لکھی ہے،وہ جنگل انوارات سے آج بھی بھراہواہے۔

حضرت حکیم صاحب نے مولاناروم کے شہرقونیہ کاجب سفرفرمایاتواس سفرمیں ان کے ساتھ انگلینڈاورافریقہ سے علماء ودیگرسالکین پرمشتمل ایک جماعت تھی،اس سفرمیں ان کی طبیعت کی جولانی،ان کے ملفوظات الطاف ربانی سے عیاں ہے،اعظم گڈھ کے ایک گاؤں کاگمنام سابچہ جوایک شیخ وقت اورولی کامل کی خدمت کے طفیل آج اس مقام پرفائزہے کہ یورپ اورافریقہ کے علماء وصلحاء ان کی جوتیاں

اٹھانا باعث شرف و عزت سمجھتے ہیں۔

حضرت حکیم صاحب کے مواعظ و ملفوظات میں حضرت پھولپوری کی خدمت میں گذرے دنوں کا تذکرہ اکثر آتا رہتا ہے۔ ترکی کے سفر کے احوال پڑھتے ہوئے ایسے ہی کسی ایک ملفوظ کو پڑھ کر مجھے علامہ اقبال کی ایک رباعی یاد آئی ؎

دمِ عارف نسیمِ صبحِ دم ہے　　اسی سے ریشۂ معانی میں نم ہے
اگر کوئی شعیب آئے میسر　　شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

حضرت حکیم صاحب کو اس مقام کلیمی تک، خدمت ہی نے پہنچایا تھا، انھوں نے اپنے شیخ کی مثالی خدمت کی تھی اور ضابطہ ہے ''ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد''

حضرت حکیم صاحب اپنے پیچھے مواعظ و ملفوظات کا ایک بے بہا خزانہ چھوڑ گئے ہیں، اور اسی طرح اپنے پیچھے سالکین اور خلفاء کی ایک بہت بڑی جماعت اور ان کی یاد میں رونے والوں کا ایک بہت بڑا مجمع۔

حضرت امیر خسرو نے قیامت تک آنے والے اور آ کر جانے والے ہر اللہ والے کی جدائی پر پیچھے رہ جانے والوں کے درد و کرب کی ترجمانی کیا خوب کی ہے ؎

اے تماشا گاہ عالم روئے تو　　تو کجا بہر تماشا میروی

ہم تو سب تیرے تماشائی تھے، تیرے درد و کرب سے بھرے نغموں کو سنتے اور سر دھنتے تھے، تو جب بولتا تھا تو بند دلوں کے تالے کھولتا تھا، تو ہمارا رونق محفل تھا، ہماری جان ہمارا دل تھا، تجھ سے ویران دلوں کی آبادی تھی، تو ہماری محفل کو سونا کر کے کس کا تماشا دیکھنے چلا گیا۔ حکیم صاحب اپنی مبارک زندگی سے ہمیں یہ پیغام دے گئے کہ

پیوستہ رہ شجر سے امیدِ بہار رکھ

سچی طلب کے ساتھ کسی شیخ طریقت کے دامن سے وابستگی انسان کے حصول مقصد کے لئے لازم ہے، خدا کے کسی سچے عاشق بندے کی صحبت، خدمت، و چاکری کے بغیر گناہوں سے بچنا اور معرفت خداوندی کا حاصل ہونا بہت مشکل ہے۔ خودسری، کبر، اور انانیت کے زہر کا تریاق و توڑ صحبت اہل دل ہے، اہل دل کی خدمت سے دلوں میں محبت کی شمع روشن ہوتی ہے۔ یاایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ و کونوا مع الصادقین۔ اللھم ارزقنی حبک و حب من یحبک و حب عمل یقربنی الی حبک۔

☆☆☆

محفل (۱۲۸)　سورۃ المائدۃ (۶)

مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی مدظلہ

اہلِ کتاب کو دعوت کہ قرآن اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قدر پہچانیں یہ موقع کھو کر اُن کے لئے کوئی عذر اللہ کے حضور پیش کرنے کو نہ ہوگا

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ　بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ
تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۬ؕ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ
مُّبِيْنٌ ۙ﴿۱۵﴾ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ
الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۶﴾ لَقَدْ كَفَرَ
الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا
اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ؕ وَلِلّٰهِ
مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ
يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ
مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۫ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾
يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ
تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ۫ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۹﴾

ترجمہ

اے اہلِ کتاب (جاگو کہ) اب آگیا ہے تمہارے پاس ہمارا رسول، جو کتاب کی اُن بہت سی باتوں کو جنھیں تم چھپاتے تھے کھول رہا ہے اور بہت سی کو نظر انداز (بھی) کرتا ہے۔(دیکھو) آگئی ہے تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک روشنی اور واضح کتاب(۱۵) نجات وسلامتی کی راہیں اس کے ذریعہ اللہ ان کو دکھلاتا ہے جو طلب گار اس کی رضا کے ہوں، اور اندھیروں سے روشنی کی طرف انھیں اپنی توفیق بخشی کے ذریعہ نکالتا ہے اور رہنمائی راہِ راست کی انھیں دیتا ہے(۱۶)

بے شک کفر اُن لوگوں نے کیا ہے جنھوں نے کہا کہ اللہ، وہی مسیح ابنِ مریم ہے۔ کہو(اے نبی) کہ اچھا تو وہ کون ہے جس کا بس اللہ پر چل سکے اگر وہ ہلاک کرنا چاہے مسیح کو اور اس کی ماں کو اور تمام زمین والوں کو؟ اللہ ہی کا بے شک ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین اور ان دونوں کے درمیان میں ہے۔ پیدا کرتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔ اور اللہ ہر بات پر قادر ہے۔(۱۷)

یہود اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں۔ کہو کہ پھر کیوں کر وہ سزا تمھیں تمھارے گناہوں کی دیا کرتا ہے؟ نہیں، بلکہ تم بس ایک بشر ہو اس کی مخلوق میں سے۔ وہ بخشے گا جس کو چاہے گا اور عذاب دے گا جسے چاہے گا۔ اور اللہ ہی کے لئے بادشاہی ہے زمین وآسمان کی اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے اس کی۔ اور لوٹ جانا سب کو ہے اسی کے حضور(۱۸)

اے اہلِ کتاب ہمارا یہ رسول تمہارے پاس آیا ہے دین کی حقیقت اُجاگر کرتا ہوا رسولوں کے ایک وقفہ کے بعد، کہ تم کہیں کہو ہمارے پاس تو کوئی بشارت دینے والا یا ڈر سنانے والا نہیں آیا تھا۔ سو تمہارے پاس آگیا ہے ایک بشارت دینے اور ڈر سنانے والا! اور اللہ ہر بات پر قادر ہے(۱۹)

اہلِ کتاب کو دعوتِ اصلاح

اہلِ کتاب، یہود ونصاریٰ، اپنے عہد و میثاق کو بھلا کر جن گمراہیوں اور غلط کاریوں کا شکار ہوگئے

تھے ان کے حوالہ کے بعد اب مضمون شروع فرمایا گیا ہے ان کو دعوتِ اصلاح کا کہ اللہ سے پھر صحیح خطوط پر اپنا رشتہ استوار کریں۔ یعنی رسولِ اُمّی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دعوتِ ایمان و اسلام قبول کریں۔ اس مضمون کا آغاز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت کے حوالہ سے ہورہا ہے کہ آپ اللہ کی طرف سے بھیجے گئے ایک رسولِ برحق ہیں: یٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا۔" اس کے بعد رسولؐ کی شان میں فرمایا گیا: يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ "۔ تم جو اپنی کتاب کی بہت سی باتیں چھپاتے چلے آتے تھے وہ ان میں سے کچھ کو نظر انداز کرتے ہوئے کچھ کو بہرحال ظاہر بھی کررہا ہے۔

یہ ایک ایسے وصف اور ایسی شانِ رسالت سے آپ کا تعارف تھا جس کے بعد کوئی گنجائش اہلِ کتاب کے لئے آپ کی رسالت میں شک کی نہیں رہتی تھی۔ آپ ایک اُمّی ہیں، کتاب پڑھ نہیں سکتے، پر بتا رہے ہیں کہ فلاں موقع پر تم فلاں بات چھپا رہے ہو۔ اور وہ صحیح نکل رہی ہے۔ رہی قرآن کے اس بیان کی صداقت، تو اس کے لئے یہ بالکل کافی ہے کہ یہ بات ان لوگوں کو براہِ راست مخاطب کرتے ہوئے کہی جا رہی تھی، کہ جھٹلا سکتے ہوں تو جھٹلائیں۔

یہاں بطورِ مثال اس سلسلہ کے ایک واقعہ کا ذکر کردینا مناسب ہوگا۔ آگے آنے والی آیت (۴۱) کے تشریح کے ضمن میں آتا ہے کہ یہود میں سے کچھ لوگوں نے ایک شادی شدہ مرد وعورت کے زنا کا مقدمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عدالت سے فیصل کرانا چاہا۔ مقصد شریعتِ موسویؑ کے حکم سے بچنا تھا جس کی رو سے سزا رجم تھی، اور امکان سمجھا تھا کہ نبی عربی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عدالت میں شاید اتنی سخت سزا نہ ہو۔ یہ خیبر کے یہودی بتائے گئے ہیں۔ انھوں نے اس کام کے لئے مدینہ کے ایک یہودی قبیلے والوں کو ذریعہ بنایا۔ اور، جیسا کہ قرآن کی آیت خود بتاتی ہے، ان کو ہدایت کردی کہ فیصلہ ایسا ہو تو مان لینا ویسا ہو تو مت ماننا۔ مگر یہ نہیں جانتے تھے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو کتاب اللہ والی سزا سے بچنے کی کوشش میں نہیں استعمال کیا جا سکتا ہے۔ روایت کے مطابق اللہ کی طرف سے رجم کے فیصلہ کا حکم آپ کو آیا۔ اور یہود جب اس کو قبول کرنے سے انکاری ہوئے تب آپ نے دریافت فرمایا کہ تورات کا حکم اس میں کیا ہے؟ اس پر انھوں نے آئیں بائیں شائیں کی تو ان کے ایک بڑے عالم (ابنِ صوریا) کا نام لیکر آپ نے پوچھا کہ تمہارے یہاں اس کی کیا علمی حیثیت ہے، جواب ملا کہ یکتائے زمانہ ہے۔ آپ نے اس کو بلوانے کے لئے فرمایا تو اس پر یہ لوگ راضی ہوئے۔ اس کو آپ نے قومِ بنی اسرائیل پر اللہ کے غیر معمولی احسانات کے حوالہ سے قسم دیکر پوچھا کہ

بتاؤ توریت میں ایسے واقعہ کا کیا حکم ہے؟ زبانِ رسالت کا رعب تھا کہ قسم کے یہ کلمات ابنِ صوریا کی تابِ مقاومت توڑ گئے۔ اور یہود کی توقع کے برخلاف کہنے پر مجبور ہوا کہ توریت کا حکم رجم کا ہے۔ گویا اللہ نے آپ کو یہ علم بھی عطا فرمادیا تھا کہ تورات میں بھی حکم رجم ہی کا ہے۔ روایتوں میں واقعہ کی مختلف صورتیں آئی ہیں مگر آیت کے الفاظ اسی روایت پر منطبق ہوتے ہیں۔ تفصیل اپنے موقع پر آئے گی۔

صداقتِ نبوی کی کھلی نشانی

الغرض آپ کے نبیٔ برحق ہونے کی اور بہت سی نشانیوں کے علاوہ، جو خود ان کی کتابوں میں بھی پائی جاتی تھیں، یہ ایک اور ایسی کھلی نشانی تھی جو ایک چیلنج کی حیثیت بھی رکھتی تھی۔ پھر اس کے ساتھ یہ بھی کہ ان لوگوں کی ایسی چوریوں کی خواہ مخواہ تشہیر میں آپ کی کوئی دلچسپی نہ تھی بس ضرورت ہی آپڑتی ہے تو آپ اظہارِ حق کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ یہی مطلب ہے جس کو ادا کرنے کے لئے فرمایا گیا: يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِّمَّا كُنتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَعْفُو عَن كَثِيرٍ ۚ (کتاب میں کی بہت سی تمہاری چھپائی گئی باتوں سے اس کا ہاتھ پردہ اُٹھاتا جارہا ہے جب کہ بہت سیوں کو نظر انداز بھی وہ کررہا ہے)۔

اُمی ہونے کے باوجود کچھ چھپائی گئی باتوں کی نشاندہی اور حقیقت بیانی جہاں پیغمبرانہ شانِ علم کا اظہار کرتی تھی وہیں اس علمی شان کے اظہار کا بس ضرورت کی حد تک محدود رہنا اور کسی مخالف کے بھی عیب کی تشہیر میں دلچسپی نہ رکھنا اُس اخلاقی شان کا اظہار کرتا تھا جو ایک باخدا انسان ہی کا ظرف ہوسکتا ہے۔ ورنہ یہ اہلِ کتاب بالخصوص یہود جو مخالفانہ ومعاندانہ رویہ آپ کے ساتھ روا رکھتے آرہے تھے کم ازکم اس سے تو آپ کے لئے بطور دفاعی حکمتِ عملی تھوڑی بہت تشہیر کا جواز پیدا ہوتا تھا۔

اس کے بعد ارشاد ہوا ہے: قَدْ جَاءَكُم مِّنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِينٌ ﴿١٥﴾ يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ---- "! خوش نصیبی جانو کہ اللہ کی طرف سے ایک روشنی اور کتابِ مبین تمہارے پاس آگئی ہے، جس کے ذریعہ سلامتی ونجات کے راستے اللہ ان پر کھولتا ہے جو اس کی رضا کے طالب ہوں، اندھیروں سے انھیں نکال کر روشنی میں لاتا اور سیدھی راہ دکھاتا ہے۔" اس آیت میں نور اور کتابِ مبین ایک ہی چیز کو فرمایا گیا ہے یا یہ دو الگ الگ چیزیں ہیں؟ مفسرین میں دونوں رائیں ہیں۔ ایک رائے کے مطابق یہ قرآن ہے جس کے لئے موقع کے لحاظ سے نور (روشنی) کی تعبیر اختیار فرما کر "کتابِ مبین" سے وضاحت فرمادی گئی کہ مراد قرآنِ پاک ہے۔ دوسری رائے میں نور کا مصداق حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی

ذاتِ گرامی ہے جبکہ کتابِ مبین قرآن ہے۔ لیکن آگے یَّهۡدِیۡ بِهِ اللّٰهُ (اللہ اس کے ذریعہ ہدایت بخشتا ہے) میں ضمیرِ مجرور (بِہٖ) کا واحد ہونا پہلی رائے کے حق میں جاتا ہے، جبکہ دوسری صورت میں تاویل کی ضرورت پڑتی ہے۔ ورنہ اس حقیقت میں کسی کو بھی اختلاف نہیں ہوسکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی بھی ایسا ہی نورِ ہدایت تھی جیسا نور قرآن کی شکل میں نازل فرمایا گیا۔ خود قرآن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ''سراجِ مُنیر'' (روشن چراغ) بتاتا ہے (الاحزاب ۴۶/۳۳)۔

الغرض اہلِ کتاب، وہ یہود ہوں یا نصاریٰ، اللہ کی رضا کو بھول کر نفس پرستی اور سہل پسندی کی جن تاریکیوں میں راستی وسلامتی کی راہیں گم کر کے اللہ کی ناراضگی کے عذاب میں جا پڑے تھے ربِّ رحمٰن ورحیم کا کرم انھیں پکارتا ہے کہ یہ گم کردہ راہیں قرآن اور اس کے لانے والے کی شکل میں بھیجی گئی روشنی میں پھر سے ہاتھ آسکتی ہیں، بس شرط یہ ہے کہ رضائے الٰہی کی طلب ہو، کیوں کہ یہ روشنی کام جب ہی آتی ہے جب اللہ کا حکم ہوجائے (اور اللہ کا حکم انھیں کے لئے ہوتا ہے جو اس کی رضا کی طلب دکھائیں۔) یہی مطلب آیت کے لفظ ''بِاِذۡنِهٖ'' کا ہے۔

آگے خاص نصاریٰ کی گمراہی مختصراً زیر بحث آئی ہے۔ ان لوگوں کی گمراہیوں میں سب سے بڑی گمراہی حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا ٹھیرانا تھی۔ تثلیث کا جو عیسائی عقیدہ ہے اس کے مطابق اُلوہیت اور خدائی معاذ اللہ ایک تکون ہے۔ اس کا ایک رُخ خود اللہ ہے، ایک مسیح اور ایک روح القدس۔ اس کے مطابق جو اللہ ہے وہی مسیح ہے۔ یہاں اسی سب سے بڑی گمراہی کا حوالہ ان لوگوں کے اس حال کی وضاحت کے طور پر دیا گیا ہے جس کا اشارہ اوپر راستی اور سلامتی کی راہیں گم کر دینے کے الفاظ میں آیا تھا۔ اسے فرمایا گیا کہ قطعی کفر ہے۔ ''بلاشبہ ان لوگوں نے کفر کیا جنھوں نے کہا کہ اللہ، وہ عین مریم کا بیٹا مسیح ہے۔''

ایک آدم زادی کا بیٹا مان کر اسے اللہ ٹھیرانا بجائے خود بہت کافی دلیل ان کے کفر ہی کی نہیں حماقت و بدعقلی کی بھی ہے۔ مگر یہ اللہ کی شان میں ایسی گستاخی ہے کہ جہاں کہیں اس کا ذکر آگیا ہے کسی نہ کسی درجہ میں غیظ وغضب کا اظہار ہوا ہے۔ اسی اندازِ جلال میں یہاں اللہ کے سامنے مسیح ابنِ مریم (علیھما السلام) کی وہی بندگی و بےبسی بتانے کے لئے جو اور تمام مخلوق کی ہے فرمایا گیا: اچھا تو وہ کون ہے کہ اللہ اگر مسیح ابنِ مریم کو اور اس کی ماں کو اور روئے زمین کی تمام ہی مخلوق کو ہلاک کرنا چاہے تو وہ روک لے؟

یہ تو اُن کے مزعومہ ''اللہ'' کی بےبسی ہوئی۔ اس کے مقابلہ میں حقیقی اور واقعی اللہ کی شان بتانے کے لئے ارشاد ہوا: وَلِلّٰهِ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا ؕ يَخۡلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ

شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۱۷﴾ (اللہ کی شان یہ ہے کہ زمین سے آسمان تک اسی کی حکومت ہے، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، اسے ہر بات کی قدرت ہے۔) اس ارشاد میں ''جو وہ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔'' کا فقرہ بظاہر حضرت مسیح کو اللہ ماننے والوں کی اس لچر دلیل (یا مغالطہ) کا رد ہے کہ وہ بن باپ کے پیدا ہوئے تو ابن اللہ نہیں تو کیا ہوئے؟ اور اللہ کا بیٹا اللہ نہیں تو پھر کیا؟ فرمایا تم نے یہ کیوں سمجھ لیا ہے کہ دنیا میں پیدائش کا جو عام طریقہ رائج ہے اللہ اس کا بہرحال پابند ہے۔ اگر یہ بات ہوئی تو وہ قادرِ مطلق کہاں رہا؟ وہ تو جس طرح کسی کو پیدا کرنا چاہے اس کی قدرت میں ہے۔ اس کی حکمت نے مسیح کے لئے یہی چاہا کہ وہ بے باپ کے پیدا ہو۔

ایک زُعمِ باطل اور اس کا رد

آگے ارشاد ہے: وَقَالَتِ الۡیَهُوۡدُ وَ النَّصٰرٰی نَحۡنُ اَبۡنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ۔--- یہ یہود و نصاریٰ کہتے ہے کہ ہم تو اللہ کے بیٹے اور چہیتے ہیں۔ یہ گویا دعوتِ اصلاح و اسلام کے مقابلہ میں ان کا عمومی ردِّعمل ہے، کہ ہمیں کیا ضرورت ہے! اور یہی زُعم، خاص طور سے یہود کا، تھا جس نے انھیں احکامِ الٰہی میں تحریف تک کی جرأت دلا رکھی تھی، کہ چہیتوں پر بھی اللہ کا وہ قانونِ گرفت کیوں کرلاگو ہوگا جو ایک عام قانون ہے؟ اس زعمِ باطل کا جواب بھی اسی طرح کے ایک تیکھے سوال سے دیا گیا ہے جیسا سوال حضرت مسیح کو اللہ ماننے والوں کے سامنے رکھا گیا تھا۔ فرمایا: قُلۡ فَلِمَ یُعَذِّبُکُمۡ بِذُنُوۡبِکُمۡ ؕ بَلۡ اَنۡتُمۡ بَشَرٌ مِّمَّنۡ خَلَقَ ''اچھا تو پھر یہ کیا ہے کہ وہ تمھیں تمہارے گناہوں کی سزا دیتا ہے؟ پس معلوم ہوا کہ یہ حقیقت میں محض تمہارا زُعم ہے ورنہ تم بھی اس کی عام بشری مخلوق کا ایک حصہ ہو۔ اور اس میں بلاتمیز اس کا اختیار ہے کہ جسے چاہے معاف کرے جسے چاہے عذاب دے (بَلۡ اَنۡتُمۡ بَشَرٌ مِّمَّنۡ خَلَقَ یَغۡفِرُ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنۡ یَّشَآءُ) اور یہ سب اختیار اسی بنیادی حقیقت کا لازمہ ہے جو بار بار یاد دلائی جاتی ہے کہ زمین سے آسمان تک اسی کی بادشاہت ہے۔ پس اسے نہ بھولو اور یہ بھی نہ بھولو کہ دنیا کی اس چندروزہ زندگی کے بعد اسی کی طرف لوٹنا ہے۔

آیت میں ابنائُہ اور احبّائہ دو لفظ آئے ہیں مگر معنیٰ دونوں کے بس ایک ہی ہیں: چہیتے۔ دوسرا لفظ گویا پہلے لفظ کی شرح ہے۔ بیٹے بتا کر بس غایتِ تعلق و خصوصیت کا اظہار مقصود ہے ورنہ حقیقی معنیٰ میں خود کو بیٹے سمجھنے کی حماقت تک تو وہ نہیں جا سکتے تھے۔

محمدؐ بشیر و نذیر ہیں

آخر میں اہلِ کتاب کو یہ دعوتِ اصلاح اس ارشاد پر ختم کی جارہی ہے کہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی آمد نے

اس عذرِ لنگ کی گنجائش بھی کسی کے لئے نہیں چھوڑی ہے کہ عرصہ ہو گیا تھا (عیسیٰ علیہ السلام کے بعد قریب چھ سو برس کا زمانہ) کہ اللہ کی طرف سے کوئی رسول ہی نہیں آیا کہ ایمانی حقائق تازہ کرے اور غلطیوں کی اصلاح۔ فرمایا جارہا ہے کہ ہمارے رسول نے آکر حجت تمام کردی ہے۔ اب تم یہ کہنے کے بھی نہیں رہے ہو کہ اللہ کی طرف سے کوئی پیغمبر ہی اتنی لمبی مدتوں تک نہیں آیا اسی میں ہم بہک گئے۔ فرمایا: يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ۡ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۱۹ ہمارا پیغمبر تمہارے بیچ میں اُترا ہوا ہے۔ سب کچھ کھول کھول کر بیان کررہا ہے۔ فرمانبرداری پر مائل کرنے والی بشارتیں بھی اور بداعمالیوں پر سزائیں بھی۔ اس کے بعد کچھ نہیں رہ جاتا جو بندے کو رضائے الٰہی کی راہ پر چلنے کو چاہئے۔

☆☆☆

یہ شمارہ

جولائی واگست کا مشترکہ شمارہ ہے۔ اگلا شمارہ ستمبر ۲۰۱۳ء اب انشاء اللہ اگست کے اواخر میں شائع ہوگا۔

اگر آپ الفرقان کو مفید پاتے ہیں

تو

اس کی توسیع اشاعت کے سلسلے میں تھوڑی سی فکر ضرور کریں

- اپنے کسی دوست یا رشتے دار کے نام
- یا کسی مدرسہ یا مسجد یا لائبریری کے نام

اپنی طرف سے زرتعاون بھیج کر رسالہ جاری کروادیں —— ادارہ

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

ماہِ رحمت

[رمضان مبارک کے بارے میں صاحب الفرقان حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ کا یہ خطاب الفرقان بابت ماہ شعبان ۱۳۷۱ھ میں شائع ہوا تھا، یعنی اب سے ۶۳ سال پہلے —— مدیر]

الحمدللہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لو لا ان ھدانا اللہ۔ لقد جاءت رسل ربنا بالحق۔

صلوات اللہ علیھم وعلی من تبعھم باحسان، امابعد

حضرات! اللہ کی رحمتوں والا مہینہ، رمضان قریب ہے، بلکہ گویا آچکا ہے، اگرچہ ہم جیسے عوام کی آنکھیں اس مبارک مہینے میں اور دوسرے مہینوں میں کوئی خاص فرق نہیں دیکھتیں، بلکہ ظاہری نظر میں رمضان کے دن اور رمضان کی راتیں اسی طرح کی ہوتی ہیں جس طرح دوسرے مہینوں کے دن اور ان کی راتیں ہوتی ہیں۔ لیکن حقیقت میں رمضان میں اور دوسرے مہینوں میں بہت بڑا فرق ہے، اتنا بڑا فرق ہے کہ اگر وہ ہم پر منکشف ہوجائے تو رمضان کی آمد پر ہم کو کچھ اس قسم کی خوشی اور مسرت حاصل ہوا کرے جیسی کہ پانی میں رہنے والے جانوروں کو سخت قحط اور خشکی کے بعد بارش کا موسم شروع ہونے سے ہوتی ہوگی۔ یا شاعروں کی زبان میں جیسی خوشی بلبل کو فصل بہار آنے پر ہوتی ہے —— یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رمضان کا بڑے اشتیاق کے ساتھ انتظار رہتا تھا۔ بعض روایات میں ہے کہ جب آپ رجب کا چاند دیکھتے تو اللہ تعالی سے دعا فرماتے کہ ''**اللّٰھم بارک لنافی رجبنا و شعبان و بلغنا رمضان**'' (اے اللہ! ہمارے رجب اور شعبان کو ہمارے واسطے مبارک کر اور رمضان تک ہمیں پہنچادے) اور جب شعبان شروع ہوتا تو آپ کثرت سے روزے رکھنے شروع کردیتے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ رمضان کے علاوہ سب مہینوں سے زیادہ روزے آپ شعبان میں رکھتے تھے۔ بلکہ کبھی کبھی تو پورا مہینہ گویا روزوں ہی میں گذر جاتا تھا۔ دراصل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ روزے رمضان ہی کے اشتیاق میں اور اس کی تیاری کے لئے اور اس

کی رحمتوں اور برکتوں کے استقبال کے واسطے ہوتے تھے۔

پھر جب رمضان بالکل قریب آجاتا تو آپ اس کی فضیلتوں اور برکتوں پر مستقل خطبے دیتے اور صحابۂ کرام کو اس کی قدردانی اور اس کی رحمتوں کے استقبال کے لئے تیار کرتے۔ ہماری خوش قسمتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس سلسلہ کے بعض خطبے حدیث کی کتابوں میں بھی محفوظ ہو گئے ہیں، اگر ہم میں طلب اور عزم ہو تو ان خطبات نبوی کی رہنمائی میں رمضان مبارک کی وہ رحمتیں اور برکتیں کسی درجہ میں ہم بھی ضرور حاصل کر سکتے ہیں جو ان خطبوں کے براہ راست سننے والے صحابہ کرام حاصل کرتے تھے۔

اس سلسلہ کا سب سے بڑا اور مفصل خطبہ تو وہ ہے جس کو حضرت سلمان فارسیؓ کی روایت سے بیہقی وغیرہ محدثین نے روایت کیا ہے اور وہ مشکوٰۃ شریف میں بھی ہے، حضرت سلمانؓ راوی ہیں کہ ایک دفعہ شعبان کی آخری تاریخ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ دیا اور اس میں ارشاد فرمایا: ''**أیھا الناس قد أظلکم شھر عظیم شھر مبارک شھر فیه لیلة خیر من الف شھر**'' (اے لوگو! ایک بڑی عظمتوں اور برکتوں والا مہینہ تم پر سایہ فگن ہو رہا ہے، اس مبارک مہینے کی ایک رات (شب قدر) ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ شب قدر عموماً رمضان ہی میں ہوتی ہے اور شب قدر کی یہ فضیلت کہ ''وہ ہزار مہینوں سے بہتر ہے'' (**خیر من الف شھر**) ان ہی لفظوں میں قرآن پاک میں بھی بیان فرمائی گئی ہے۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا: ''**جعل اللہ صیامه فریضة وقیام لیله تطوعا، من تقرّب فیه بخصلةٍ من خصال الخیر کان کمن أدی فریضة فیما سواہ ومن أدی فیه فریضة کان کمن أدی سبعین فریضة فیما سواہ**'' (اللہ تعالیٰ نے اس پورے مہینے کے روزے فرض کئے ہیں اور اس کی نماز (تراویح) کو کارِ ثواب قرار دیا ہے (یعنی اس کو فرض تو نہیں کیا ہے لیکن اس میں بڑا ثواب رکھا ہے) جو شخص اس مہینے میں اللہ کی کوئی غیر فرض عبادت کرے (یعنی سنت یا نفل ادا کرے) تو اس کو دوسرے زمانے کی فرض عبادت کے برابر اس کا ثواب ملے گا۔ اور جو شخص اس مہینے میں فرض عبادت ادا کرے گا اس کا ثواب دوسرے مہینوں کے اسی جنس کے ۷۰ فرضوں کے برابر ہوگا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ الفاظ یوں ہی سن کر گذر جانے کے نہیں ہیں، ضرورت ہے کہ ہم ان پر دھیان کریں اور ان میں جو کچھ فرمایا گیا ہے اپنے دل و دماغ میں اس کا یقین بٹھائیں، آپ کے اس ارشاد کا

مطلب واضح ہے، اس میں خاص طور سے ہم جیسے دین کے مفلسوں کے لئے بڑی بشارت ہے، فرمایا گیا کہ رمضان میں تمام عبادات اور اعمال صالحہ کا اجر وثواب بہت بڑھا دیا جاتا ہے، نوافل کا ثواب فرضوں کے برابر کر دیا جاتا ہے اور فرائض کا ثواب ۷۰ گنا بڑھا دیا جاتا ہے، مثلاً رمضان میں فجر کی جو دو رکعتیں پڑھی جائیں گی ان کا ثواب غیر رمضان کی دو رکعتوں سے ۷۰ گنا زیادہ ہوگا، گویا ایک سو چالیس رکعت کے برابر ہوگا، علی ہٰذا زکوٰۃ کے جو دس روپے مثلاً رمضان میں نکالے جائیں گے ان کا ثواب دوسرے زمانے کے ۷۰۰ روپے کے برابر ہوگا[1] اور اسی طرح نفلی عبادات جن کا ثواب فرض عبادات کے مقابلے میں بہت کم ہوتا ہے رمضان مبارک میں ان کا ثواب بڑھا کر فرضوں کے برابر کر دیا جاتا ہے۔ پس ہم جیسے کم ہمت لوگ جو اللہ کے عابد بندوں کی طرح ہمیشہ زیادہ عبادت نہیں کر سکتے ان کے لئے یہ ماہ مبارک خاص رحمت کا موسم ہے، اگر اس ایک مہینے کے لئے وہ ہمت کی کمر کس لیں تو بھی بہت کچھ کمائی کر سکتے ہیں، پھر اسی مہینے میں وہ رات بھی ہے جس کے متعلق صرف حدیثی روایات میں نہیں بلکہ قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے کہ وہ ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اس کا ظاہری مطلب یہی ہے کہ یہ رات رحمت اور برکت کے نزول کے لحاظ سے اور عبادات کے اجر وثواب کے اعتبار سے ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اور اس ایک رات میں ہزار مہینوں سے زیادہ کمائی کی جا سکتی ہے، بہرحال یہ مہینہ اللہ کی رحمت کی بارش کا مہینہ ہے، اگر ہم اس کی ناقدری کریں اور اس کی رحمتوں اور برکتوں سے حصہ لینے کی کوشش نہ کریں اور جن غفلتوں میں ہمیشہ رہتے ہیں ان ہی غفلتوں میں یہ مبارک مہینہ بھی گذار دیں تو یہ ہمارے لئے انتہائی بدبختی اور محرومی ہوگی۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''**ھو شھر الصبر و الصبر ثوابه الجنة و شھر المواساة و شھر یزاد فیه رزق المؤمن**'' (یہ رمضان صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ بس جنت ہے، اور یہ ہمدردی اور غم خواری کا مہینہ ہے اور یہ وہ مہینہ ہے جس میں ایمان والوں کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے) ان جملوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رمضان کو صبر کا، ہمدردی وغم خواری کا اور رزق میں زیادتی کا مہینہ بتلایا ہے۔

صبر اس کا نام ہے کہ آدمی کسی اعلیٰ مقصد کی خاطر اس چیز کو برداشت کرے جس میں اس کو تکلیف ہو، اور جو اس کی طبیعت کو ناگوار ہو، یہ انسان کی بہت اونچی صفتوں میں سے ہے اور بڑی زبردست طاقت ہے

---

[1] زکوٰۃ نکالنے والوں کے لئے بہتر ہے کہ وہ حساب لگا کر اپنے پورے مال کی زکوٰۃ رمضان میں نکال لیا کریں پھر اس کے مصرف کے لئے جو مناسب موقع رمضان میں سامنے آئے ان میں صرف کرے اور جو باقی بچ جائے اس کو محفوظ رکھے اور حسب موقع دوسرے مہینے میں صرف کرے، انشاء اللہ ان کی پوری زکوٰۃ رمضان ہی کے حساب میں شمار ہوگی۔

اور دین میں اور اللہ کی نگاہ میں اس کی بڑی فضیلت ہے، کہیں فرمایا گیا ہے: ”ان اللہ مع الصابرین“ (اللہ تعالیٰ صبر والوں کے ساتھ ہے) کہیں فرمایا گیا ہے: ”واللہ یحب الصابرین“ اللہ تعالیٰ صبر والوں سے محبت کرتا ہے اور اسی خطبہ میں فرمایا گیا ہے کہ صبر کا بدلہ جنت ہے۔ بہرحال صبر انسان کے اونچے کمالات میں سے ہے اور رمضان میں اسی صبر کی مشق ہے۔ بندہ اللہ کے حکم کی تعمیل میں اور اس کی رضا کے لئے کھانے پینے سے اور نفسانی خواہش سے پورے ایک مہینے کے دنوں میں اپنے کو روک کر صبر کا عمل کرتا ہے اور صبر کی صفت اپنے اندر پیدا کرتا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے واسطے جنت کی بشارت ہے ——

اور ماہ رمضان کے ہمدردی اور غم خواری کا مہینہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس مہینے میں ہر روزے دار کو بھوک پیاس وغیرہ کی تکلیف کا تجربہ ہوتا ہے تو ان کو اس کا احساس ہوتا ہے کہ اللہ کے جن بندوں کو ناداری کی وجہ سے فاقے ہوتے ہیں اور جو بے چارے افلاس اور غربت کی وجہ سے دو دو چار چار وقت بھوک کے ساتھ گذارتے ہیں ان پر کیسی گذرتی ہوگی اور یہ احساس ان میں ہمدردی و غم خواری کے جذبے کو پیدا کرتا ہے۔ اور ایک دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ رمضان میں اہل ایمان کو ہمدردی اور غم خواری کی خصوصیت کے ساتھ تاکید ہے۔ گویا رمضان مبارک کے خاص اعمال خیر میں سے یہ بھی ہے۔

اور رحمت کے اس مہینے میں ایمان والوں کے رزق میں زیادتی اور برکت کا جو ذکر فرمایا گیا ہے، ہر صاحب ایمان اس کی شہادت دے سکتا ہے کہ یہ اس کا ہمیشہ کا تجربہ ہے، اللہ کے مومن بندوں کو رمضان مبارک میں جتنا اچھا اور جتنی فراغت سے رزق ملتا ہے یقیناً بقیہ ۱۱ مہینوں میں وہ بات نصیب نہیں ہوتی، اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”من فطر فیہ صائما کان لہ مغفرۃ لذنوبہ وعتق رقبۃ من النار وکان لہ مثل أجرہ من غیر أن ینقص من أجرہ شیء“ اس مہینے میں جو شخص کسی روزہ دار کو افطار کرائے تو یہ اس کے لئے گناہوں کی مغفرت کا اور آتشِ دوزخ سے اس کی آزادی کا ذریعہ ہوگا اور اس کو اس روزہ دار کے برابر ثواب ہوگا، بغیر اس کے کہ اس کے ثواب میں کوئی کمی کی جائے۔ یعنی اللہ تعالیٰ روزہ افطار کرانے والے کو روزہ دار کے برابر ثواب اپنے خاص خزانۂ فضل سے دے گا، روزہ دار کے ثواب میں سے نہیں دیا جائے گا کہ اس میں کوئی کمی آئے۔

اس خطبہ کے راوی حضرت سلمان فارسیؓ فرماتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روزہ افطار کرانے والے کا یہ ثواب بیان فرمادیا تو بعض حاضرین نے عرض کیا: ”یارسول اللہ! لیس کلنا نجد مانفطر بہ

الصائم'' (حضور! ہم میں سب تو ایسے نہیں ہیں جنھیں روزہ افطار کرانے کی کوئی خاص چیز میسر ہو۔

آپ نے ارشاد فرمایا: ''یعطی اللہ ھٰذا الثواب من فطر صائما علی مذقۃ لبن او تمرۃ او شربۃ من ماء'' (اللہ تعالی یہ ثواب (یعنی روزہ دار کے برابر ثواب) اس شخص کو بھی دے گا جو کسی روزہ دار کو دودھ کی تھوڑی سی لسی یا کھجور کے ایک دانہ ہی سے یا پانی کے ایک گھونٹ ہی سے افطار کرادے۔)

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''من أشبع صائما سقاہ اللہ من حوضی شربۃ لا یظمأ حتی یدخل الجنۃ'' (اور جو کوئی کسی روزہ دار کو پورا کھانا کھلائے تو اللہ تعالی اس کو میرے حوض کوثر سے ایسا سیراب فرمائیں گے کہ پھر جنت میں جانے تک اس کو پیاس نہ لگے گی۔

ہمارے زمانے کے بعض لوگ جب کسی حدیث میں کسی ایسے عمل پر جس کو وہ معمولی اور آسان سمجھتے ہیں کسی بڑے ثواب کا وعدہ دیکھتے ہیں تو انھیں اس کے بارے میں شکوک وشبہات ہوتے ہیں۔ یہ شکوک دراصل اللہ تعالی کی رحمت اور اس کے فضل وکرم کی وسعتوں کو نہ جاننے کی وجہ سے ہوتے ہیں، ما قدروا اللہ حق قدرہ۔ اصل بات یہ ہے کہ اعمال کے اخروی نتائج یعنی ثواب اور عذاب کی مقدار اور اس کی تفصیلات کے بارے میں انسانی ذہن بالکل عاجز ہے۔ ''بل ادارك علمھم فی الآخرۃ'' آخرت کے بارے میں سب کا علم عاجز ہے) بلکہ اللہ ورسول جو کچھ فرمائیں ہمارا کام بس اس پر ایمان لانا ہے، ہاں ثبوت مستند طریقے سے ہونا چاہئے —— ورنہ اگر ہم ان چیزوں میں بھی اپنی بیمار عقلوں اور اپنے ماؤوف ذہنوں کو معیار بنائیں گے تو دین کی بہت سی بنیادی اور مسلم حقیقتیں ہمارے نزدیک مشکوک اور مشتبہ ہوجائیں گی۔ مثلاً ایمان کے نتیجہ میں ہمیشہ اور ابدالآباد تک جنت میں عیش کرنا اور کفر وشرک کے نتیجے میں ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں جلنا وہ حقیقت ہے جس کو قرآن مجید نے سیکڑوں جگہ بیان فرمایا ہے۔ لیکن کتنے احمق اور یورپ زدہ لوگ ہیں جن کی سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ ایمان اور کفر کے انجام میں اتنا بڑا فرق کیوں ہے؟ —— بہر حال جس عمل کا ثواب یا جو عذاب صحیح اور مستند طریقہ سے معلوم ہوجائے ہمیں اس پر یقین کرکے اس ثواب کے حاصل کرنے یا اس عذاب سے بچنے کی فکر کرنا چاہئے۔ ایمانی طریقہ کا رہی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روزہ افطار کرانے اور کھانا کھلانے کا یہ ثواب بیان فرما کر آگے ارشاد فرمایا: ''وھو شھر أولہ رحمۃ وأوسطہ مغفرۃ وآخرہ عتق من النار'' اس مہینے کا (یعنی رمضان کا) پہلا حصہ رحمت کا ہے، درمیانی حصہ مغفرت کا ہے، اور آخری حصہ جہنم سے آزادی کا ہے۔

اس حدیث کی شرح کرنے والے علماء نے خطبہ کے اس جز کے کئی مطلب بیان کئے ہیں، ان میں جوسب سے زیادہ میرے دل کولگتا ہے وہ یہ ہے کہ رمضان کی برکتوں میں حصہ لینے والے آدمی تین طرح کے ہوتے ہیں، ایک وہ ابرار اور علماء اور اولیاء اللہ جوتقوی اور پرہیزگاری کی وجہ سے اور مسلسل توبہ واستغفار کی وجہ سے گناہوں کی ناپاکی سے پاک صاف رہتے ہیں توان حضرات پرتوشروع مہینہ ہی سے بلکہ رمضان کی پہلی رات ہی سے رحمت اور انعام کی بارشیں ہونے لگتی ہیں۔ دوسرا طبقہ ان بندوں کا ہے جومعمولی اور ہلکے درجہ کے گنہگار ہوتے ہیں تو یہ لوگ جب رمضان کے ابتدائی حصے میں روزوں کے اور دوسرے اعمال حسنہ کے ذریعہ اپنے گناہوں کی کچھ تلافی کردیتے ہیں اور اپنی حالت کودرست کرلیتے ہیں تو درمیانی حصے میں ان کو معافی دے دی جاتی ہے اور ان کی مغفرت کردی جاتی ہے۔ اور تیسرا طبقہ ان لوگوں کا ہے جن کے گناہ اس دوسرے طبقہ والوں سے بھی زیادہ ہوتے ہیں اور جن کا دینی حال ان سے زیادہ خراب ہوتا ہے اور وہ گویا اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے جہنم کے مستحق بن چکے ہوتے ہیں تو اس طبقہ والے بھی جب رمضان کے ابتدائی اور درمیانی حصے میں روزے رکھ کے اور دوسرے اچھے اعمال کرکے اپنی سیاہ کاریوں کی کچھ تلافی کرلیتے ہیں، اور اللہ کے سامنے روتے دھوتے ہیں توان کو بھی جہنم سے آزادی دے دی جاتی ہے —— تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کا حاصل یہ ہوا کہ پہلی قسم کے مستحقینِ رحمت کے لئے تو رحمت کا دور دورہ شروع مہینے ہی سے شروع ہوجاتا ہے۔ اور درمیانی حصہ میں دوم درجہ والوں کی بھی مغفرت کردی جاتی ہے۔ اور آخر میں ان لوگوں پر بھی کرم کیا جاتا ہے جو اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے جہنم کی فہرست پر چڑھ چکے ہوتے ہیں، تو رمضان کے آخری حصے میں ان کو بھی جہنم سے چھٹی دے دی جاتی ہے۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''**من خفف فیه عن مملوکه غفر اللہ له و أعتقه من النار**'' جوکوئی اس مہینے میں اپنے مملوک (یا ماتحت) کے کام میں تخفیف کردے گا اللہ تعالیٰ اس کوبخشدے گا اور اس کو جہنم سے آزادی دے دے گا۔

یہ خطبہ مشکوۃ شریف میں امام بیہقی کی شعب الایمان کے حوالے سے بس اتنا ہی ہے، مگر منذری کی ''ترغیب وترہیب'' میں اس پر ایک جزو کا اور اضافہ ہے، اس میں ہے کہ اس خطبہ میں آپ نے صحابہ کرام سے یہ بھی فرمایا کہ رمضان کے اس مہینے میں تم چار چیزوں کی خصوصیت کے ساتھ کثرت کرو، ایک لا الٰہ الا اللہ کی کثرت رکھو، دوسرے استغفار کی کثرت کرو، اور تیسرے جنت کے سوال کی اور چوتھے دوزخ سے

پناہ مانگنے کی کثرت کرو یعنی اس مہینے کے دن رات میں ان چار شغلوں کی کثرت رکھو۔

امام منذری کی ''ترغیب وترہیب'' میں رمضان ہی کے سلسلہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک اور خطبہ بھی حضرت عبادہ بن الصامتؓ کی روایت سے طبرانی کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے، اس میں ہے کہ ایک دفعہ جب رمضان آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم لوگوں سے ارشاد فرمایا: ''**أتاكم رمضان شهر بركة يغشاكم الله فيه فينزل الرحمة ويحط الخطايا ويستجيب فيه الدعاء ينظر الله تعالى الى تنافسكم ويباهي بكم الملائكة**'' (لوگو! ماہ رمضان آ گیا، یہ بڑی برکت والا مہینہ ہے، اللہ تعالی اس میں اپنے خاص فضل وکرم سے تمہاری طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اپنی خاص رحمتیں نازل فرماتے ہیں، خطائیں معاف کرتے ہیں اور دعائیں قبول فرماتے ہیں اور اس مہینے میں طاعات وحسنات اور عبادات کی طرف تمہاری رغبت اور مسابقت کو دیکھتے ہیں اور مسرت ومفاخرت کے ساتھ اپنے فرشتوں کو بھی دکھاتے ہیں۔

اللہ اللہ! کیسے خوش نصیب ہیں وہ بندے جن کو روزہ کی اور بھوک پیاس کی حالت میں نماز پڑھتے یا تلاوت کرتے یا ذکر کرتے یا رات کو تراویح میں رکوع وسجود اور قیام وقعود کرتے یا پچھلے پہر تہجد پڑھتے ان کا آقا ومولی خود دیکھتا ہے اور ان کی طرف اشارہ کر کے اپنے درباری فرشتوں سے کہتا ہے کہ دیکھتے ہو یہ ہماری رضا کے لئے کیا کیا کر رہے ہیں۔ ع

کیا نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا: ''**فأروا الله من أنفسكم خيرا فان الشقي من حرم فيه رحمة الله عز وجل** (پس اے لوگو! ان مبارک دنوں میں اللہ پاک کو اپنی نیکیاں ہی دکھاؤ (یعنی عبادات وحسنات کثرت سے کرو) بلاشبہ وہ شخص بڑا بے نصیب ہے جو رحمتوں کے اس مہینے میں بھی اللہ کی رحمت سے محروم ہے۔)

حضرات گرامی! اگرچہ ہم نے اور آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مبارک زمانہ نہیں پایا اور اس لئے حضور کے یہ خطبے خود آپ کی زبان مبارک سے ہم نے نہیں سنے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہم اور آپ بلکہ قیامت تک آنے والے سارے مسلمان ان خطبوں کے اسی طرح مخاطب ہیں جس طرح کہ صحابۂ کرام تھے اور آپ کے خطبات کے متعلق ہمیں یہی تصور کرنا چاہئے کہ گویا آپ ارشاد فرما رہے ہیں اور ہم سن رہے ہیں۔ انشاء اللہ اس تصور سے عمل کے شوق وذوق میں ترقی ہوگی۔

مشکوٰۃ شریف ہی میں ایک اور حدیث ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رمضان مبارک کی فضیلتیں اور

اس کی برکتیں بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ رمضان کی ہر رات میں اللہ کا منادی پکارتا ہے: ''یاباغی الخیر اقبل ویاساعی الشر اقصر'' (اے نیکی اور ثواب کے طالب قدم بڑھا کے آ، اور اے بدی کے شائق رک اور باز رہ)

میں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ ہمیں رمضان کی ہر رات میں یہ دھیان کرنا چاہئے کہ اللہ کا منادی خیر کے طالبوں کو بلا رہا ہے اور بدی کے طالبوں کو ڈانٹ رہا ہے اور پھر ہمیں لبیک کہہ کے دل کے شوق و ذوق کے ساتھ خیر کی طرف اور اللہ کی رحمت اور رضا کی طرف بڑھنے کا فیصلہ کرنا چاہئے اور اس راہ میں برابر ترقی اور تیز قدمی جاری رکھنی چاہئے۔ دراصل رمضان کا ایک ایک منٹ بڑی قدر کے قابل ہے —— اللہ کے جن بندوں کو رمضان کی عظمتوں اور برکتوں کا یقین ہوجاتا ہے ان کا حال اس مبارک مہینے میں بالکل مختلف ہوتا ہے، وہ اس کے ایک ایک لمحہ کی بڑی قدر اور بڑی حفاظت فرماتے ہیں —— ہمارے ایک مخدوم بزرگ کا دستور اور معمول تو یہ ہے کہ پورے رمضان کے مہینے صرف اتنا آرام کرتے ہیں جو زندگی اور صحت کے لئے بالکل ناگزیر ہے۔ اور لوگوں سے ملنے اور بات چیت کرنے کے اوقات بھی بہت محدود کردیتے ہیں، یعنی دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں سے روزانہ بہ مشکل بس آدھ گھنٹہ پون گھنٹہ اس کے لئے دیتے ہیں۔ باقی تمام اوقات تلاوت قرآن اور نوافل و اذکار میں مشغول رہتے ہیں —— پھر ان کا پروگرام بھی بڑا عجیب اور بڑا دلچسپ ہے، پورے رمضان ان کا یہ معمول رہتا ہے کہ نماز مغرب کے بعد اوابین کی چھ رکعتوں میں تین پارے پڑھتے ہیں، پھر وہی تین پارے عشاء کے بعد تراویح میں پڑھتے ہیں، تراویح کے بعد چائے پیتے ہیں اور چائے کی یہ مجلس قریباً آدھ گھنٹہ پون گھنٹہ تک رہتی ہے۔ (ان بزرگ کے یہاں رمضان بھر گفتگو اور ملاقات کا بس یہی وقت رہتا ہے) اس چائے سے فارغ ہوکر پھر قرآن مجید لے کر بیٹھ جاتے ہیں اور ان ہی تین پاروں کی پورے غور و تدبر کے ساتھ تلاوت فرماتے ہیں اور اس وقت بعض تفاسیر بھی سامنے رہتی ہیں اور غور طلب چیزوں کے لئے ان کی طرف رجوع بھی فرماتے ہیں۔ اس تلاوت اور مطالعہ سے فارغ ہوکر تہجد کے لئے کھڑے ہوتے ہیں اور اس میں بھی وہی تین پارے پڑھتے ہیں، بس پوری رات یوں ہی گذر جاتی ہے، اس کے بعد نماز فجر سے اول وقت فارغ ہوکر کچھ دیر کے لئے آرام فرماتے ہیں۔ پھر اٹھ کر چاشت کے نوافل پڑھتے ہیں، اور ان میں بھی وہی تین پارے پڑھتے ہیں، اس کے بعد پھر ان ہی تین پاروں کی تلاوت فرماتے ہیں، پھر ظہر کی سنتوں اور نفلوں میں وہی تین پارے پھر

پڑھتے ہیں، اس کے بعد عصر تک انہی تین پاروں کی دو دفعہ اور تلاوت فرماتے ہیں، پھر عصر کے بعد کسی دوسرے حافظ کو وہی تین پارے سناتے ہیں، اس طرح پر دن رات میں دس دفعہ تین پاروں کا دور ہوتا ہے اور ایک عشرہ میں قرآن مجید کے دس ختم ان بزرگ کے پورے ہوجاتے ہیں، پھر آخری عشرہ میں اس خیال سے کہ شاید ۲۹ رمضان کو رویت ہوجائے بجائے تین پاروں کے سوا تین پارے ہر دفعہ پڑھتے ہیں۔ اور اس طرح آخری عشرہ کے ۹ ہی دن میں دس قرآن مجید ختم ہو کر انتیسویں رمضان کو ان بزرگ کے تیس قرآن اس طرح پورے ہوجاتے ہیں، پھر اگر ۲۹ رمضان کو رویت نہ ہوئی اور مہینہ پورے ۳۰ دن کا ہوا تو ۳۰ رمضان کو ایک قرآن مجید اور ختم ہوجاتا ہے —— ان بزرگ کا برسہا برس سے یہی معمول ہے اور دوسرے اذکار و تسبیحات اور دعوات وصلوات اس کے علاوہ ہیں —— بلکہ ان کے تو گھر کی مستورات کا بھی یہی حال ہے کہ گھر کا سارا کام کاج، جھاڑو برتن، کھانا پکانا بھی خود کرتی ہیں اور اس کے ساتھ ۲۰، ۲۰ اور ۲۵، ۲۵ پارے روزانہ تلاوت بھی کرتی ہیں بلکہ کبھی کبھی پورا قرآن روزانہ ختم کرتی ہیں۔

اور یہ تو میں نے اس زمانے کے صرف ایک بزرگ کا ذکر کیا اور وہ بھی صرف اس لئے کیا کہ ان کا عجیب وغریب اور دلچسپ پروگرام جو مجھے معلوم ہوگیا تھا وہ آپ کو بھی معلوم ہوجائے، شاید آپ میں سے کسی کے دل میں کسی درجہ میں اس کی نقل اور تقلید کا شوق پیدا ہوجائے —— ان کے علاوہ بھی اللہ کے نیک بندوں کا یہ عام معمول ہے کہ رمضان میں وہ اپنے کو زیادہ سے زیادہ اللہ کی عبادت کے لئے اور اس کی راہ میں مجاہدہ کرنے کے لئے تیار کرلیتے ہیں، پھر جن کو تلاوت قرآن کا زیادہ ذوق ہوتا ہے وہ اس مہینے میں تلاوت زیادہ کرتے ہیں، جن کو ذکر سے زیادہ مناسبت ہوتی ہے وہ ذکر زیادہ کرتے ہیں، جن کو نوافل میں زیادہ روحانی لذت ملتی ہے وہ نوافل زیادہ پڑھتے ہیں، جن کے دلوں میں اللہ نے دین کی خدمت اور دین کے لئے جدوجہد کا احساس زیادہ پیدا کردیا ہے اور جو اس عمل کو سب سے اونچا اور زیادہ کمائی والا عمل سمجھتے ہیں، وہ رمضان میں اس کو زیادہ کرنا چاہتے ہیں —— بہرحال رمضان کا یہ خاص حق ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ سنت ہے اور اللہ کے تمام صالح اور مقبول بندوں کا یہ طریقہ ہے کہ رمضان میں اپنے کو عبادات اور طاعات کے لئے زیادہ سے زیادہ فارغ کرلیا جائے اور اس مبارک مہینے میں اللہ کی رضا اور رحمت حاصل کرنے کے لئے اور اپنی دینی ترقی کے لئے جو جدوجہد کی جاسکے اس میں کسر نہ رکھی جائے۔ بعض اہل ادراک بزرگوں کا ارشاد ہے کہ جس شخص کا رمضان میں جو دینی حال رہتا ہے اسی نسبت سے باقی پورے سال

میں اس کا حال رہتا ہے۔

تو مجھے آپ سے یہی کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رمضان کے مہینے کی شکل میں ہمیں جو ایک نعمت عظمیٰ نصیب فرمائی ہے (کہ اس ایک مہینے میں ہم برسوں کی کمائی انشاء اللہ کر سکتے ہیں) ہم اس کی قدر کریں، دوسرے کاموں سے ہم اپنے کو زیادہ سے زیادہ ہلکا کریں اور اس پورے مہینے کا ایسا پروگرام بنائیں جس میں اللہ کا ذکر و فکر، اللہ کی طاعت و عبادت اور اللہ کے لئے مجاہدہ زیادہ سے زیادہ ہو، —— اگر سال میں یہ ایک مہینہ خاص اہتمام سے اس طرح گذار دیا جایا کرے جس طرح اس کے گذارنے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہدایت فرماتے تھے تو اپنی اصلاح کے لئے اور اللہ سے تعلق بڑھنے کے لئے اور تقوی کی صفت پیدا ہونے کے لئے اس ایک مہینے کا محنت و مجاہدہ انشاء اللہ اچھی خاصی حد تک کافی ہوگا —— جو لوگ اپنے کو اس ایک مہینے کے لئے دوسرے کاموں سے فارغ کر سکیں ان کے لئے تو سب سے بہتر ہے کہ وہ یہ پورا مہینہ اللہ کے کسی خاص بندے کی صحبت میں اور کسی ایسے ماحول میں جا کر گذاریں جو اللہ کے ذکر و فکر کا ماحول ہو، طاعت و عبادت کا ماحول ہو، صلاح و تقوی کا ماحول ہو، تربیت و تذکیر کا اور مجاہدہ کا ماحول ہوا، ور جو بھائی پورے مہینے کے لئے ایسا نہ کر سکیں وہ کم سے کم ایک عشرہ کے لئے اور خاص طور سے آخری عشرہ کے لئے اگر کر سکیں تو ضرور کریں انشاء اللہ ان کی دینی ترقیات کے لئے یہ چیز بہت مفید ثابت ہوگی، باقی وہ حضرات جو ایسے کاموں میں اور ایسے حالات میں ہیں کہ دوسرے مشغلوں سے وہ اپنے کو فارغ نہیں کر سکتے وہ کم سے کم اس کا فیصلہ ضرور کر لیں کہ اس مہینے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن کاموں کے کرنے کی خصوصیت کے ساتھ ہدایت فرمائی ہے، انشاء اللہ ان کو پورے اہتمام سے کرنے کی کوشش کریں گے، اور جن باتوں سے اس مبارک مہینے میں پرہیز کرنے کی آپ نے خصوصیت کے ساتھ ہدایت فرمائی ہے ان سے پوری طرح انشاء اللہ پرہیز کریں گے اور اپنے کو زیادہ سے زیادہ ذکر و تلاوت اور طاعت و عبادت میں مشغول رکھیں گے۔

اس مہینے کی خاص عبادتوں میں سب سے اہم تو روزہ ہے جو اسلام کا ایک رکن ہے —— اسلام میں رمضان کے علاوہ کسی دن کا روزہ فرض نہیں، اور رمضان کے پورے مہینے کے روزے فرض ہیں اور ان کی اتنی اہمیت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا کہ جو شخص کسی شرعی عذر کے بغیر رمضان کے ایک دن کا بھی روزہ چھوڑ دے گا وہ اگر ساری عمر نفل روزے رکھ کر اس کی تلافی کرنا چاہے تو نہ کر سکے گا۔

اور واقعہ یہ ہے کہ حدیثوں میں رمضان کے روزوں کا جو اجر و ثواب بیان کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے

اس پر جیسے انعامات کا وعدہ کیا ہے ان کے معلوم ہو جانے کے بعد شرعی مجبوریوں اور شرعی عذر کے بغیر وہی محروم شخص روزہ چھوڑ سکتا ہے جسے اللہ ورسول کی باتوں کی اور اللہ کی رحمت کی کوئی پرواہ نہ ہو —— جن حدیثوں میں روزہ کے اجر و ثواب کا اور روزہ پر ملنے والے انعام کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے پہلے ایک حدیث قدسی کا ذکر کرتا ہوں ۔حدیث قدسی ایک خاص اصطلاح ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی حدیث میں صراحۃً یہ فرمائیں کہ اللہ تعالی کا یہ ارشاد ہے تو اس کو حدیث قدسی کہتے ہیں ،تو جو حدیث میں روزہ کے متعلق ذکر کرنا چاہتا ہوں وہ اسی قسم کی حدیث ہے ۔صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہ حدیث کی تمام کتابوں میں یہ حدیث روایت کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایمان والوں کو اپنے تمام اچھے اعمال کا ثواب دس گنے سے لے کر سات سو گنے تک ملنے والا ہے (یعنی اللہ تعالی نے اس امت مرحومہ کے لئے عام قانون اپنے کرم سے یہ مقرر فرمایا ہے کہ اس کی ہر نیکی کا ثواب بہ نسبت پہلی امتوں کے کم از کم دس گنا زیادہ دیا جائے گا۔اور جن لوگوں کی نیکیاں زیادہ جاندار، زیادہ روح والی اور احسان کی صفت کے ساتھ اور خوف ومحبت کی خاص کیفیات کے ساتھ ہوں گی تو ان کا ثواب اور بھی زیادہ ہوگا، یہاں تک کہ بعضوں کو سو گنا اور بعضوں کو دو سو گنا اور بعضوں کو ان کی کیفیات اور خصوصیات کے موافق اس سے بھی زیادہ حتی کہ بعض خوش نصیب بندوں کو سات سو گنا تک دیا جائے گا) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں اس امت کے اعمال خیر کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ عام قانون ہے ،لیکن حق تعالیٰ نے روزے کو اس سے مستثنی رکھا ہے ،روزہ کے متعلق اس کا ارشاد ہے کہ روزہ میں بندہ میرے لئے اپنا کھانا پینا اور اپنی نفسانی خواہش چھوڑتا ہے ،اس کی اس قربانی کی میں پوری پوری قدر کر کے دکھاؤں گا اور ثواب کے اس عام حساب سے نہیں بلکہ اپنے خاص کرم سے اور بلا واسطہ میں ہی روزہ کا اجر اس کو دوں گا، گویا بندہ بس اسی وقت دیکھے گا کہ میں اپنے ہاتھ سے کیا دوں گا، حدیث کے اصل الفاظ اس موقع پر یہ ہیں کہ:"الا الصوم فانه لی وانا اجزی به یدع لی شهوته وطعامه وشرابه"۔

دوستو! اللہ تعالی آخرت میں روزہ داروں پر جو انعام واکرام فرمائیں گے جس کا وعدہ اس حدیث میں کیا گیا ہے وہ تو انشاء اللہ اسی وقت سامنے آئے گا اور اس کی عظمت اور قیمت اسی وقت معلوم ہو سکے گی لیکن اس قدسی حدیث میں اللہ تعالی کا یہ فرمانا کہ میرا بندہ میری وجہ سے اپنا کھانا پینا چھوڑتا ہے اہل ذوق کے لئے یہ کچھ کم نعمت نہیں ہے ۔اگر بالفرض آخرت میں کچھ بھی نہ ملے تو اللہ تعالی کا بس یہ فرما دینا کہ بندہ نے اپنا کھانا پینا میری وجہ سے چھوڑا ہے، ہمارے روزے کی وہ قیمت ہے جس کے ہم ہرگز مستحق نہیں ہیں۔

ہزار عمر فدائے دمے کہ من از شوق بخاک وخوں تپم وگوئی برائے من است

پھر اسی حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ ''ولخلوف فم الصائم عنداللہ أطیب من روح المسک''
یعنی روزہ دار کے منہ میں معدہ کے خالی ہونے کی وجہ سے جو بدبو بعض اوقات پیدا ہوجاتی ہے اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ وہ میرے نزدیک مشک کی خوشبو سے اچھی ہے۔ گویا روزہ دار اللہ کا ایسا محبوب بن جاتا ہے کہ اس کے منہ کی بدبو بھی اللہ کو محبوب ہوتی ہے، سبحان اللہ وبحمدہ۔

ایک اور صحیح حدیث میں خاص رمضان ہی کے روزہ کے متعلق فرمایا گیا ہے: ''**من صام ایمانا واحتسابا غفر لہ ماتقدم من ذنبہ**'' جوشخص ایمان اور احتساب کی صفت کے ساتھ رمضان کے روزے رکھے گا اس کے سب پہلے گناہ معاف کردئے جائیں گے۔

ایمان اور احتساب یہ دو خاص دینی اصطلاحیں ہیں اور حدیثوں میں بہت سے اعمال خیر کے ثواب کے ذکر کے ساتھ شرط کے طور پر ان دونوں کا ذکر کیا جاتا ہے یعنی کہا جاتا ہے کہ اس عمل کا یہ ثواب ہے بشرطیکہ یہ عمل ایمان اور احتساب کے ساتھ کیا جائے، اور اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کرنے والا اس عمل کو اس یقین کے ساتھ کرے کہ یہ اللہ کا حکم ہے اور قرآن وحدیث میں اس کا جو اجر وثواب بتلایا گیا ہے وہ بالکل حق ہے، اور اللہ تعالی مجھے اور میرے اس عمل کو دیکھنے والا ہے، اور پھر اسی یقین کی تحریک سے اور حکم الٰہی کی تعمیل ہی کی نیت سے اور اللہ ورسول کے بیان کئے ہوئے اس ثواب ہی کی امید پر اس عمل کو کیا جائے —— بس یہ مطلب ہوتا ہے ایمان واحتساب کے ساتھ کسی عمل کے کرنے کا۔ اس حدیث کا حاصل یہ ہوا کہ جو کوئی رمضان کے روزے اس یقین کے ساتھ رکھے کہ یہ اللہ کا حکم ہے اور مجھے اس کے حکم کی تعمیل کرنا ہے اور اللہ مجھے اور میرے عمل کو دیکھنے والا ہے اور اگر اللہ تعالی قبول فرمائے تو مجھے اس عمل پر انشاء اللہ بہت بڑا ثواب ملنے والا ہے تو اس شخص کے پہلے سب گناہ معاف کردئے جائیں گے۔

روزہ کے علاوہ رمضان کی دوسری خاص عبادت قیام لیل یعنی رات کی خاص نماز ہے جس میں تراویح اور تہجد دونوں داخل ہیں، اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہی ارشاد ہے کہ ''**من قام رمضان ایمانا واحتسابا غفر لہ ماتقدم من ذنبہ**'' جوشخص ایمان واحتساب کے ساتھ رمضان کی راتوں میں اللہ کے حضور میں کھڑا ہو یعنی تراویح وتہجد پڑھے تو اس کے پہلے گناہ معاف ہوجائیں گے۔

تو حدیث میں رمضان کی ان دونوں عبادتوں کی یعنی دن کے روزوں کی اور رات کی نماز تراویح

وتہجد کی یہ فضیلت اور تاثیر بیان کی گئی ہے کہ ان کی برکت سے پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ یہ عبادتیں ایمان اور احتساب کے ساتھ کی جائیں۔ دراصل ایمان واحتساب اعمال کی روح اور اعمال کا باطن ہیں، جو اعمال ایمان واحتساب کے بغیر کئے جاتے ہیں وہ بے روح اور بے اثر ہیں، آج کل اول تو اعمال کرنے والے کم ہیں اور پھر جو کرنے والے ہیں ان میں ایمان واحتساب والے بہت ہی کم ہیں، اسی لئے ہمارے اعمال بے اثر ہیں۔

اعمال میں ایمان واحتساب پیدا کرنے کی تدبیر یہ ہے کہ ہر عمل نیت سے کیا جائے اور اس یقین کو بار بار دل میں دہرایا جائے کہ اللہ تعالی حاضر وناظر ہیں اور یہ ان کا حکم ہے اور وہ اس کی تعمیل سے راضی ہوتے ہیں اور میں ان کو راضی کرنے کے لئے اور آخرت میں ان کا رحم وکرم حاصل کرنے کے لئے ہی یہ عمل کرتا ہوں۔ —— مثلاً ہم روزہ رکھیں تو اس نیت سے رکھیں اور اس نیت کو برابر تازہ کرتے رہا کریں یہاں تک کہ دن میں جب جب کچھ کھانے یا پینے کو دل چاہے تو دل کو یہی یاد دلایا جائے کہ میں اللہ کے حکم سے اور اس کی رضا کے لئے روزہ سے ہوں اور وہ مجھے دیکھ رہا ہے، اور میری اس بھوک پیاس پر وہ مجھے بڑا ثواب دینے والا ہے —— اسی طرح تراویح اور تہجد پڑھنا جب نفس پر بھاری ہو اور جی اس وقت آرام کرنے کو چاہے تو اس یقین کو تازہ کیا جائے کہ میرے اللہ مجھے اور میرے حال کو دیکھ رہے ہیں اور اس وقت اللہ کے حضور میں کھڑے ہو کر میرا نماز پڑھنا آخرت میں اللہ کے سامنے کھڑے ہونے کو آسان کرے گا اور اس وقت تھوڑی سی تکلیف اٹھالینا انشاء اللہ دوزخ کی سخت تکلیفوں سے نجات کا ذریعہ ہو جائے گا —— انشاء اللہ چند روز ایسا کرنے سے یہ ایمان واحتساب دل کا مستقل حال بن جائے گا اور پھر خدا نے چاہا تو ہمارا ہر عمل ایمان واحتساب کی صفت سے ہوا کرے گا۔

رمضان کی ان دونوں عبادتوں یعنی دن کے روزوں اور رات کی نمازوں کے متعلق ایک حدیث اور بیان کرتا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **"الصیام و القرآن یشفعان للعبد، یقول الصیام ای رب انی منعته الطعام و الشھوات بالنھار فشفعنی فیه ویقول القرآن منعته المنام باللیل فشفعنی فیه فیشفعان"** روزے اور قرآن یعنی تراویح یا تہجد میں جو قرآن پڑھا یا سنا جائے یہ دونوں مومن بندہ کے حق میں اللہ تعالی سے سفارش کریں گے، روزہ عرض کرے گا اے میرے رب میں نے تیرے اس بندے کو کھانے پینے سے اور خواہش نفس پورا کرنے سے دن کے اوقات میں روکا تھا لہذا میری شفاعت اس

کے حق میں قبول فرما اور قرآن کہے گا کہ میں نے اس کو رات میں سونے نہیں دیا تھا اس لئے میری شفاعت اس کے حق میں قبول فرما (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ) پھر ان دونوں کی شفاعت اس بندے کے حق میں قبول کی جائے گی۔

دوستو! ہمیں اور آپ کو بلاشبہ روزہ سے بھوک پیاس کی کچھ تکلیف ہوتی ہے اور دن کو روزہ رکھ کر رات کو تراویح اور تہجد پڑھنا اکثر لوگوں کے لئے ضرور کچھ شاق ہوتا ہے لیکن جب قیامت میں ہمارے یہ روزے اور رمضان کی راتوں کی ہماری یہ نمازیں اور ان میں پڑھے جانے والا قرآن ہمارے شفیع بن کر کھڑے ہوں گے اور ہمارے لئے بارگاہ خداوندی میں سفارش کریں گے اور جب اس کی وجہ سے ہمارے گناہ معاف کئے جائیں گے اور جب اللہ تعالی براہ راست اور بلاواسطہ ہمیں ان کے انعام دیں گے تو اس وقت ان سے زیادہ محبوب اور لذیذ ہمارے لئے کوئی چیز نہ ہوگی اور اس دن ہمیں ان کی اصل قدر و قیمت معلوم ہوگی۔

ہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ رمضان کے صیام اور قیام کی یہ ساری فضیلتیں اور انعام و اکرام کے یہ تمام وعدے ان ہی خوش نصیبوں کے لئے ہیں جن کے روزے اور جن کی راتوں کی نمازیں صرف رسمی نہ ہوں بلکہ اخلاص کے ساتھ اور ایمان و احتساب کی کیفیت کے ساتھ ہوں اور جنھوں نے ان کے بارے میں اللہ و رسول کے احکام کی پوری پابندی کی ہو، ورنہ اگر یہ بات نہ ہوئی تو حدیث میں صاف طور پر فرمایا گیا ہے ''**رب صائم لیس له من صیامه الا الجوع و الظمأ و رب قائم لیس له من قیامه الا السهر**'' (کتنے ہی روزے دار ہیں کہ ان کے روزے کا حاصل بھوک پیاس کے سوا کچھ نہیں اور کتنے ہی شب زندہ دار ہیں کہ راتوں کی ان کی نمازوں کا حاصل رات کے جاگنے کے سوا کچھ نہیں۔

ایک اور حدیث میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''**من لم یدع قول الزور و العمل به فلیس لله حاجة فی ان یدع طعامه و شرابه**'' جس روزہ دار نے روزہ رکھتے ہوئے جھوٹ اور بے ہودہ باتیں اور غلط اور بیہودہ اعمال نہ چھوڑے تو اللہ کو اس کے بھوکے پیاسے رہنے کی کچھ پرواہ نہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص روزہ میں کھانے پینے سے تو اپنے منہ کو بند کر لے لیکن جھوٹ سے اور بری باتوں سے اپنی زبان کی حفاظت نہ کرے اور برے اعمال اور بری عادتیں نہ چھوڑے تو اللہ کے یہاں اس کا روزہ قبول نہ ہوگا۔

ایک اور حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ روزہ صرف کھانا پینا چھوڑ دینے کا نام نہیں ہے بلکہ برے

کاموں اور بری باتوں سے بھی رکا جائے تو حقیقی روزہ ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روزہ داروں کو ہدایت فرمائی ہے: "اذا کان یوم صوم احدکم فلا یرفث ولا یصخب فان سابه احدأو قاتله فلیقل انی صائم" (جب تم میں سے کسی کے روزہ کا دن ہو تو چاہئے کہ وہ کوئی بیہودہ حرکت اور کوئی بیہودہ بات نہ کرے اور تیزی میں زور سے بھی نہ بولے اور اگر بالفرض کوئی دوسرا اس سے گالی گلوج کرے اور لڑنا چاہے تو کہہ دے کہ میں روزہ سے ہوں یعنی روزہ دار کو چاہئے کہ کسی بدتمیز کے جواب میں بھی کوئی بدتمیزی نہ کرے اور دل کے جذبات پر اور زبان پر پورا قابو رکھے حتی کہ چیخ کر اور زور سے بھی نہ بولے۔

دوستو! یہ ہے حقیقی روزہ اور یہ ہیں وہ روزے دار جن کے روزے سے پیدا ہونے والی منہ کی بدبو بھی اللہ کو مشک کی خشبو سے بھی زیادہ پیاری ہے —— اور یہ بات جبھی حاصل ہوسکتی ہے جب روزہ دار یہ دھیان برابر تازہ کرتا رہے کہ میرا مالک اور میرا رب میرے ساتھ ہے، حاضر ناظر ہے، اور اس کا حکم ہے کہ میں روزہ میں کوئی برا کام نہ کروں اور کوئی بری بات زبان سے نہ نکالوں حتی کہ زور سے بھی نہ بولوں، پس اللہ کے حاضر اور شاہد ہونے کا یہ یقین روزہ دار پر جتنا طاری ہوگا اور ہر دم اپنے اللہ کے سامنے ہونے کا دھیان جتنا پختہ اور گہرا ہوگا اتنی ہی ان چیزوں سے احتیاط نصیب ہوگی جو روزہ کو خراب کرنے والی ہیں، بس سارا کھیل اس یقین اور دھیان کا ہے اللہ تعالی ہمیں نصیب فرمائے ——

حضرات! رمضان کے خاص اعمال میں سے ایک اعتکاف بھی ہے۔ اعتکاف کیا ہے؟ ہر طرف سے منقطع ہو کر اللہ کے در پر پڑ جانا اور اس سے لو لگا کے بیٹھ جانا اس کا اصل وقت رمضان کا آخری عشرہ ہے۔

یوں تو رمضان کا پورا مہینہ خاص رحمتوں اور برکتوں کا مہینہ ہے لیکن اس حیثیت سے اس کا آخری عشرہ پہلے دونوں عشروں سے بڑھا ہوا ہے، قرآن پاک کا نزول بھی آخری عشرہ ہی میں ہوا تھا اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شب قدر بھی عام طور سے اس آخری عشرہ میں ہوتی ہے، اس لئے اعتکاف کے لئے اسی عشرہ کو مخصوص کیا گیا ہے، گویا پورے رمضان کے روزوں کا مجاہدہ تو تمام امت پر فرض کیا گیا ہے جس سے بیماروں معذوروں کے سوا کوئی مستثنی نہیں ہے اور پورے مہینے کی راتوں میں عشاء کی روزمرہ کی نماز کے علاوہ زائد نماز پڑھنا اور اللہ کے حضور میں زیادہ سے زیادہ کھڑا رہنا جس کو حدیثوں میں قیام لیل کہا گیا ہے وہ اگرچہ روزہ کی طرح فرض تو نہیں کیا گیا ہے لیکن فرض قرار دئے بغیر اس کا حکم بھی سب کو دیا گیا ہے، گویا رمضان کے دنوں میں صیام اور راتوں میں قیام کو ایمان والوں کے لئے رمضان کے مجاہدہ اور رمضان کی

عبادت کا عام نصاب ہے، پھر اللہ کے جو بندے رحمت والے اس مہینے کی رحمتوں اور برکتوں میں خاص الخاص حصہ لینا چاہیں ان کے لئے خاص نصاب اعتکاف ہے ـــــ یعنی اللہ کا طالب بندہ رمضان کے آخری دس دنوں اور دس راتوں میں سب طرف سے کٹ کے اور گویا سب سے ہٹ کے اللہ ہی کے آستانہ پر جا پڑے اور گویا اسی کے قدموں میں جا گرے، یعنی اللہ کی کسی مسجد میں اپنے جسم کو مقید کر دے، حاجت بشری کے سوا وہاں سے نہ نکلے، اسی طرح اپنے باطن کو صرف اللہ کی طرف متوجہ کرے، اسی کی یاد ہو، اسی کا دھیان ہو، اسی کی عبادت ہو، اسی کی تسبیح و تقدیس ہو، اسی سے ڈرنا، اسی کے حضور میں رونا اور تڑپنا ہو، اسی سے مانگنا ہو، اسی کے سامنے گڑگڑانا ہو، غرض وہاں وہ بندہ ہو اور اس کا رب کریم۔

حضرات! اعتکاف کا جو اثر آخرت میں ملے گا وہ تو وہیں پہنچ کر سامنے آئے گا، لیکن جس بندہ کو اپنے مولی کی محبت کا کوئی ذرہ نصیب ہو اس کے لئے تو حضوری کے ایسے چند دنوں اور چند راتوں کا نصیب ہو جانا بجائے خود وہ نعمت عظمی ہے جس کے سامنے دنیا کی ساری نعمتیں اور لذتیں ہیچ ہیں، اہل محبت تو ایسے وقت کی تمنا میں پڑے رہتے ہیں ؎

پھر جی میں ہے کہ در پہ کسی کے پڑا رہوں سر زیر بار منت درباں کئے ہوئے
دل ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن بیٹھا رہوں تصور جاناں کئے ہوئے

میں آپ حضرات سے عرض کر رہا تھا کہ اعتکاف بجائے خود ایک نعمت اور لذت ہے، ایسی نعمت اور لذت جو اگر ہم پر منکشف ہو جائے تو ہماری مسجدیں رمضان میں معتکفین سے بھری رہا کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دوامی معمول تھا کہ آپ رمضان کے آخری عشرہ میں برابر اعتکاف فرماتے تھے ـ ایک سال کسی وجہ سے آپ اعتکاف نہیں کر سکے تو اگلے سال آپ نے ۲۰ دن کا اعتکاف فرمایا اور ایک سال ایسا بھی ہوا کہ رمضان کے پورے مہینہ میں آپ معتکف رہے۔

تو اللہ تعالی آپ میں سے جن کو توفیق دے وہ آخری عشرہ میں اعتکاف کریں اور جن کے لئے کسی وجہ سے اس کا موقع نہ ہو وہ بھی اتنا ضرور کریں کہ آخری عشرہ میں اپنے دوسرے مشغلوں کو کم سے کم کر دیں اور دن رات کا زیادہ سے زیادہ وقت اللہ کے ذکر میں، قرآن مجید کی تلاوت میں، اللہ کی عبادت میں، اللہ کے دھیان میں، اور اس سے دعا و استغفار میں گذاریں، خصوصاً ان راتوں میں زیادہ سے زیادہ اللہ کی طرف متوجہ اور اس کے ذکر میں مصروف اور دعا و استغفار میں مشغول رہیں ـ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم رمضان کی آخری دس راتوں میں خود بھی جاگتے تھے اور اپنے گھر والوں کو بھی بیداری کا حکم فرماتے تھے اور ترغیب دیتے تھے (أحییٰ لیلہ و أیقظ اھلہ)

اور بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے اور اہل تجربہ بیان کرتے ہیں کہ عموماً رمضان کے اسی آخری عشرہ کی راتوں میں شب قدر ہوتی ہے جس کی عظمت اور فضیلت اور جس کی قدرومنزلت قرآن مجید کی ایک مستقل سورہ میں بیان کی گئی ہے اور اس وجہ سے اس سورت کا نام ہی ''سورۃ القدر'' ہے تو جو شخص رمضان کے آخری عشرہ کی راتوں میں ذکروعبادت کا اور اللہ تعالی کی طرف متوجہ رہنے کا اور دعا واستغفار میں مشغول رہنے کا اہتمام کرے گا، انشاء اللہ وہ شب قدر میں نازل ہونے والی اللہ کی خاص رحمتوں اور برکتوں سے ضرور اپنا دامن بھرلے گا اور جیسا کہ قرآن میں فرمایا گیا ہے وہ اس ایک رات کی عبادت پر ہزار مہینہ کی عبادت سے زیادہ ثواب کا مستحق ہوگا۔

دوستو اور دینی بھائیو! اللہ تعالی نے رمضان کی شکل میں رحمت کا جو موسم ہمارے لئے بھیجا ہے اس کی قدر کرلو، تھوڑی سی ہمت اور محبت کرکے اپنے گناہوں کو بخشوانے اور اپنے اللہ کو راضی کرنے کا سامان کرلو، اور رمضان کے دنوں اور راتوں میں کچھ کرکے اپنے نامۂ اعمال میں نیکیوں کی میزان کو بڑھوالو معلوم نہیں اس کے بعد ہم میں سے کس کس کو رمضان نصیب ہوگا اور کس کس کے لئے یہی آخری رمضان ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کسی صحابی کو ان کی خاص استدعا پر چند نصیحتیں فرمائی تھیں، ان میں سے ایک نصیحت یہ بھی تھی کہ ''صل صلوٰۃ مودع'' یعنی اس شخص کی سی نماز پڑھو جو اپنے متعلقین کو خیر باد کہہ کے دنیا سے رخصت ہونے والا ہو اور اپنی نماز کو آخری نماز سمجھ کر حضور وخشوع سے پڑھ رہا ہو، میں عرض کرتا ہوں کہ اسی طرح اس رمضان میں ہم سب یہ خیال کرکے کچھ کریں کہ کیا خبر ہے شاید یہی ہمارے لئے آخری رمضان ہو اور اللہ کی رحمت ومغفرت حاصل کرنے کا یہی ہمارے لئے آخری موقع ہو۔

آخر میں مجھے ایک بات آپ حضرات سے اور کرنی ہے، اس وقت میں نے آپ حضرات کے سامنے رمضان اور اس کے خاص اعمال کے متعلق یعنی روزہ تراویح اور اعتکاف وغیرہ کے متعلق جو کچھ عرض کیا ہے، دراصل وہ سب ثواب آخرت کی وہ ترغیبات ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم صحابۂ کرام کے سامنے بیان فرمایا کرتے تھے اور جو حدیثوں میں اب تک محفوظ ہیں، ان اعمال میں اس کے علاوہ جو اور مصلحتیں اور فائدے ہوسکتے ہیں جن کا تعلق ہماری اسی دنیاوی زندگی سے ہے، اس وقت میں نے ان کو قصداً نظر انداز کیا

ہے، یہ میں نے اس لئے کیا ہے کہ میرے نزدیک انبیاءؑ کا طریقہ یہی ہے کہ وہ جو عمل کرانا چاہتے ہیں آخرت کے ثواب کو سامنے رکھ کر کرانا چاہتے ہیں اور جس کام سے لوگوں کو بچانا چاہتے ہیں اس کے آخرتی عذاب سے ڈرا کر بچانا چاہتے ہیں، ان کا امتیازی اور اصلی کام یہی تبشیر اور انذار ہے (یعنی ثواب کی بشارتیں سنا کر اچھے اعمال پر لوگوں کو آمادہ کرنا اور عذاب سے ڈرا کر لوگوں کو برے اعمال سے بچانا) قرآن پاک میں فرمایا گیا: ''رسلاً مبشرین ومنذرین''۔

ہمارے زمانے میں دین میں اور دین کی دعوت میں جو غلطیاں داخل ہوئی ہیں ان میں کی بہت اہم ایک غلطی یہ ہے کہ بہت سے حضرات تبشیر اور انذار کو اس نبوی طریقہ سے اس قدر ہٹ کر دین کی اور دین کے اعمال وارکان کی دعوت دیتے ہیں کہ ان کی گفتگوؤں اور ان کی کتابوں میں جنت کے ثواب اور دوزخ کے عذاب کا تذکرہ کسی تلاش کرنے والے کو مشکل ہی سے مل سکتا ہے حالانکہ قرآن وحدیث اسی تذکرے سے بھرے ہوئے ہیں، قرآن پاک سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس میں دین کی پوری دعوت کی بنیاد آخرت کے ثواب وعذاب کو بنایا ہے اور جنت کی نعمتوں اور دوزخ کے عذابوں کا ذکر قرآن مجید میں اس قدر تفصیل سے اور اتنی تکرار کے ساتھ کیا گیا ہے کہ اگر اس کو نکال لیا جائے تو قرآن شاید آدھا بھی مشکل سے رہے گا، بہر حال انبیاءؑ کا یہی طریقہ ہے اور ہمیں مادہ پرستی اور دنیا پرستی کے اس دور میں اپنے قول وعمل سے اس کو اجاگر اور زندہ کرنا ہے، کہ دین کی اور دین کے اعمال وارکان کی دعوت آخرت کے ثواب عذاب کی بنیاد پر دی جائے اور جنت ودوزخ کو قرآن مجید کے طریقہ پر ایک سچی اور یقینی حقیقت کی طرح لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے —— اس کے علاوہ آج میں نے خاص طور پر یہ التزام اس لئے بھی کیا کہ رمضان کے مخصوص اعمال، روزہ، قیام لیل، احیاء لیلۃ القدر ان سب کے متعلق حدیث میں یہ صراحۃً ارشاد فرمایا گیا ہے کہ ان پر یہ انعام اور اجر وثواب اسی وقت ملے گا جب کہ ان کو ایمان اور احتساب کی صفت کے ساتھ کیا جائے اور ایمان واحتساب کا مطلب جیسا کہ میں نے ابھی بتلایا تھا یہی ہے کہ اللہ کے وعدوں اور وعیدوں پر یقین کر کے اور ان کے بتلائے ہوئے ثواب وعذاب کو بالکل برحق جان کے ثواب کی امید ہی میں ان اعمال کو کیا جائے —— اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ اعمال بھی نصیب فرمائے اور ایمان واحتساب کی صفت بھی نصیب فرمائے، میں عرض کر چکا ہوں کہ وہی دین کی روح اور جان ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین وسلام علی المرسلین

(ماخوذ از: الفرقان: شعبان ۱۳۷۱ھ)

افادات: حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ عارفی رحمۃ اللہ علیہ

رمضان المبارک انوار وانعامات

[حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفیؒ حکیم الامت حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ممتاز خلفاء میں سے تھے، ماہ مبارک کے سلسلے میں اُن کا ایک مجلسی خطاب ملاحظہ فرمائیے۔ —— مدیر]

حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحبؒ نے رمضان شریف کے متعلق ذکر کرتے ہوئے فرمایا: **الحمدللہ، اللھم لک الحمد و الشکر**۔ اللہ تعالی کا احسان عظیم ہے کہ آج ہم اور آپ پھر کچھ دیر کے لئے اللہ جل شانہ اور ان کے نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر کے لئے جمع ہو گئے ہیں جو ہمارے لئے انشاء اللہ بڑا سرمایۂ سعادت ہے۔

بہت سی باتیں جاننے کے پیچھے نہ پڑیئے، بس جتنی بات معلوم ہے اس پر ہی عمل ہو جائے تو یہ بڑے کام کی بات ہے، ہماری عبادات واطاعات بھی کچھ رسمی صورت کی ہو کر رہ گئی ہیں، اور اس بدحواس زندگی میں اور نفسانی وشہوانی ماحول میں ان کی حقیقت اور اہمیت جیسی ہونی چاہیئے ہمارے دلوں میں نہیں ہے۔ اس لئے پہلے تو اللہ پاک سے دعا کریں کہ یا اللہ جب آپ نے توفیق دی ہے تو آپ ہی ان عبادات کی اہمیت، برکات وتجلیات اور ان کے ثمرات، فہم سلیم وتوفیقِ اعمال صالحہ اور حیات طیبہ عطا فرما دیں۔

یہ شعبان کا آخری جمعہ ہے، انشاء اللہ تعالی آئندہ ہفتے کے بعد ماہ مبارک رمضان شریف کا آغاز ہو رہا ہے۔ کاش ہم کو اپنے ایمان کی عظمت وقدر ومنزلت ہوتی تو اس ماہ مبارک کی سعادتوں سے بہرہ ور ہونے کی زیادہ سے زیادہ کوشش کرتے۔ یہ اللہ تعالی کا فضل عظیم ہے کہ ہمارے ضعف ایمان اور ناکارہ اعمال کو از سر نو قوی اور کامل ترین بنانے کے لئے رمضان المبارک کے چند گنتی کے دن عطا فرمائے ہیں۔ اسی لئے ان کو غنیمت سمجھ کر ہمیں بڑے ذوق وشوق کے ساتھ ان ایامِ معدودہ کی قدر کرنا چاہیئے۔ یوں تو اللہ جل شانہ نے ہماری دنیا وآخرت کے سرمائے کے لئے ہم کو چند فرائض وحقوق واجبہ کا مکلف بنایا ہے مگر اس ماہ

مبارک میں چند نوافل و مستحبات کے اضافے کے ساتھ ہم کو زیادہ سے زیادہ حلاوت ایمانی اور اعمال کی پاکیزگی اور اپنے حصول رضا کا موقع عطا فرمایا ہے، اس کی قدر کرو اور اس سے بھرپور فائدہ اٹھاؤ اور اس کے شروع ہونے سے پہلے اپنے ظاہری و باطنی اعضاء کو خوب توبہ استغفار سے پاک وصاف کرلو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ جل شانہ نے اپنے محبوب نبی الرحمۃ کی امت پر اس لئے یہ احسان وانعام فرمایا ہے کہ ان کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت کے فائز المرام ہونے پر خوش ہوجائیں اور اللہ تبارک وتعالی کے اس اعلان کا مصداق بنیں: وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ، اس لئے ہمارے ذمہ بھی شرافتِ نفس کا تقاضا یہی ہے کہ ہم بھی اللہ تعالی اور اپنے آقائے نامدار نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنے حتی الامکان کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں، اس لئے ہم اس وقت عہد کرلیں کہ انشاء اللہ تعالی ہم اس ماہ مبارک کے تمام لمحات، شب وروز اسی احتیاط واہتمام میں گذاریں گے جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک مقبول اور پسندیدہ ہیں۔ اس لئے ابھی چند روز باقی ہیں ہم ابھی سے اس کی تیاری شروع کردیں۔ احتیاط اس بات کی کہ تمام ظاہری و باطنی گناہوں سے بچیں اور اہتمام اس بات کا کہ زیادہ سے زیادہ نیک کام کریں گے اور عبادات وطاعات میں مشغول رہیں گے۔ یوں تو سب دن اللہ تعالی ہی کے ہیں، ہر وقت اور ہر آن انھیں کی مشیت کارفرما ہے اور ہماری تمام عبادات وطاعات انھیں کے لئے ہیں اور وہی ہم کو دنیا وآخرت میں اس کا صلہ مرحمت فرماویں گے مگر امتیان نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ان کا لامتناہی احسان خصوصی یہ ہے کہ فرمایا یہ مہینہ میرا ہے اور اس کا صلہ میں خود دوں گا۔ اس کے ایک معنی یہ ہیں کہ جو صلہ اور اجر اس ماہ کے اعمال کا ملے گا وہ بے حد و بے حساب ہوگا۔ اور یہ بے حد و بے حساب ہونا اللہ تعالی علیم وخبیر کے علم میں ہے۔ اس احسان شناسی کے جذبہ کو قوی کرنے کے لئے توکلا علی اللہ ہم کو بھی عزم بالجزم کرلینا چاہئے کہ انشاء اللہ ہم جو کچھ بھی کریں گے وہ للہ رب العالمین ہی کریں گے۔ پھر دیکھئے کہ اس عزم کے صلہ میں تائید الٰہی کس طرح ہمارے شامل حال رہتی ہے، انشاء اللہ ہم خود مشاہدہ کریں گے۔ تہیّہ کرلیجئے کہ اب ایک پاکیزہ ومحتاط زندگی گزاریں گے۔ آنکھوں کا غلط انداز نہ ہونے پائے۔ سماعت میں فضول باتیں نہ آنے پائیں۔ بے کار باتوں میں مشغول نہ ہوں۔ اخبار بینی سے زیادہ شغف نہ ہونے پائے۔ اس کے علاوہ تمام غیر ضروری تعلقات بھی کم کردیں۔ ایسی تقریبات میں بھی شریک نہ ہوں جہاں شریعت کے خلاف کام ہوں۔ تو انشاء اللہ پاک وصاف رہیں گے۔ اور یاد رکھو کہ ناپاکیوں کے ساتھ اللہ تعالی سے صحیح تعلق پیدا نہیں ہوسکتا۔ یہ بھی

اللہ تعالی کے فضل وکرم کا کس قدر بڑا احسان ہے کہ اپنے گنہگار غفلت زدہ بندوں کو پہلے ہی سے متنبہ کردیا ہے کہ جیسے ہی رمضان کا مبارک مہینہ شروع ہو تم اپنی عمر بھر کے تمام چھوٹے بڑے گناہ معاف کرالو تاکہ تم کو اپنے مربی حقیقی سے صحیح وقوی تعلق پیدا ہو جائے اور اگر تم نے ہماری مغفرتِ واسعہ ورحمتِ کاملہ کی قدر نہ کی تو پھر تمہاری تباہی وبربادی میں کوئی کسر باقی نہ رہے گی۔ اب اس اعلانِ رحمت پر کون ایسا بدنصیب بندہ ہے جو اس کے بعد محروم رہنا چاہے گا۔ اس لئے ہم سب لوگ یقیناً بڑے خوش نصیب ہیں کہ رمضان المبارک کا مہینہ اپنی زندگی میں پا رہے ہیں۔ اب تمام جذبات عبدیت کے ساتھ اور قوی ندامت کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں حاضر ہوں اور اس ماہ مبارک کے تمام انوار وبرکات وتجلیات الٰہیہ سے مالا مال ہوں۔ اللہ تعالی اس کی زیادہ سے زیادہ توفیق ہم سب کو عطا فرمائے۔ آمین۔

جی بھر کر، دو دن، تین دن، چار پانچ دن اپنے تمام گناہ عمر بھر کے جتنے یاد اور تصور میں آسکیں اور جہاں جہاں نفس وشیطان سے مغلوب رہے ہو۔ چاہے وہ دل کا گناہ ہو، آنکھ کا، زبان کا یا کان کا، سب ندامتِ قلب کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں پیش کردو اور کہو کہ اب وعدہ کرتے ہیں کہ آئندہ ایسا نہیں کریں گے۔ یا اللہ ہم کو معاف کردیجئے۔ یا اللہ! ہم سے غفلت ونادانی کی وجہ سے نفس وشیطان کی شرارت سے عمداً وسہواً جو بھی گناہ کبیرہ وصغیرہ صادر ہو چکے ہیں جو ہماری دنیا وآخرت کے لئے انتہائی تباہ کن ہیں اور جن کی شامت اعمال کا خمیازہ ہم روز بھگت رہے ہیں، اپنی مغفرت کاملہ اور رحمت واسعہ سے سب معاف فرمادیجئے، ہم انتہائی ندامت قلب کے ساتھ آپ کی بارگاہ میں منت وسماجت کے ساتھ دست بدعا اور سر بسجدہ ہیں۔ ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین ہر وہ بات جو قابل مواخذہ ہو معاف فرمادیجئے۔ دنیا میں، قبر میں، برزخ میں حشر میں، پل صراط پر جہاں جہاں بھی مواخذہ ہوسکتا ہے سب معاف فرمادیجئے اور یا اللہ اب آپ جتنی زندگی آئندہ عطا فرمائیں وہ حیاۃ طیبہ ہو، اعمال صالحہ کے ساتھ ہو۔ یا اللہ ہمارے ایمان کو مضبوط اور قوی فرمادیجئے۔

انشاء اللہ تعالی حسب وعدۂ الٰہی ہماری یہ دعا ضرور قبول ہوگی۔ اب خبردار! اپنی گذشتہ غفلتوں اور کوتاہیوں کو اہمیت نہ دینا، زیادہ تکرار نہ کرنا، مایوس وناامید نہ ہونا۔ جب ان کا وعدہ ہے تو سب انشاء اللہ معاف ہو جائے گا۔ لیکن ہاں! چند گناہ ایسے ہیں جن کی معافی مشکل ہے۔ مسلمان مشرک تو ہوتا نہیں لیکن کبھی کبھی یہ ممکن ہے کہ پریشان ہو کر عالم اسباب کی کسی قوت کو موثر سمجھ لیا ہو، دنیاوی وسائل وذرائع کے سامنے

اس طرح جھک گئے ہوں جس طرح ایک مومن کو جھکنا نہ چاہئے تو یا اللہ آپ یہ سب لغزشیں بھی معاف کر دیجئے۔ بس اب مغفرت کا معاملہ ہو گیا، اب ان کی رحمت واسعہ طلب کرو۔

اسی طرح ایک نا قابل معافی گناہ کبیرہ یہ ہے کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان سے کھوٹ اور کینہ ہو، کینہ رکھنے والے کے متعلق حدیث میں ہے کہ ایسا شخص شب قدر کی تجلیات، مغفرت اور قبولیت دعا سے محروم رہے گا۔ عالم تعلقات میں اپنے اہل وعیال، عزیز و اقارب، دوست و احباب، سب پر ایک نظر ڈالو اور دیکھو کہ ان میں کسی کی طرف سے دل میں کسی قسم کا کھوٹ، کینہ اور غصہ تو نہیں ہے، کسی کی حق تلفی تو نہیں ہوتی ہے، کسی کو ہماری ذات سے تکلیف تو نہیں پہنچی ہے۔ اللہ پاک اس وقت تک راضی نہیں ہوتے جب تک ان کی مخلوق ہم سے راضی نہیں ہو جاتی، دیکھو اگر تم اس معاملہ میں حق بجانب اور دوسرا باطل پر ہے تو پھر جب تم اللہ پاک سے مغفرت چاہتے ہو تو اس کو معاف کر دو اور اگر تمہاری زیادتی ہو تو اس سے جا کر معافی چاہ لو۔ اس میں کوئی شرم کی بات نہیں، اگر بالمشافہ ہمت نہ ہو تو ایک تحریر لکھ کر اس کے پاس بھیج دو کہ یہ رمضان کا مہینہ ہے، اس میں اللہ پاک نے فرمایا ہے کہ دلوں کو صاف رکھنا چاہئے۔ اس لئے ہم اور آپ بھی آپس میں دل صاف کر لیں اور ایک دوسرے کو معاف کر دیں۔

اس کے بعد ان سے نہ بدخواہی کرو، نہ دل میں انتقام لینے کا خیال کرو۔ اپنی بیوی بچوں پر بھی نظر ڈالو کہ ان میں سے کوئی تم سے ناراض تو نہیں یعنی ان کے ساتھ کوئی بیجا تشدد یا زیادتی تو نہیں کی ہے۔ اگر ایسا ہے تو ان سے معافی مانگنے کی ضرورت نہیں بلکہ خوش اسلوبی سے ایسا برتاؤ کرو جس سے وہ خوش ہو جائے۔ اسی طرح بھائی بہن عزیز و اقارب غرض کسی سے کسی قسم کی بھی رنجش ہے تو تم ان کو معاف کر دو۔ اس لئے کہ تم بھی آخر اللہ میاں سے معافی چاہتے ہو۔

لغو اور فضول باتوں سے پرہیز کرو، لغو باتیں کرنے سے عبادت کا نور جاتا رہتا ہے۔ لغو باتیں کیا ہیں؟ جیسے فضول قصے، کسی کا بے فائدہ ذکر، سیاسی امور پر بحث یا خاندان کی باتیں اگر شروع ہو جائیں تو اس میں غیبت ہونے کا امکان ضرور ہی ہوتا ہے۔ پھر اخبار بینی یا کوئی اور بے کار مشغلہ ان سب سے بچتے رہو، صرف ۳۰ دن گنتی کے ہیں اگر کچھ کرنا ہی چاہتے ہو تو کلام پاک پڑھو، سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھو اور دینی کتب کا مطالعہ کرو۔

رمضان شریف میں دو عبادتیں سب سے بڑی ہیں ایک تو کثرت سے نمازیں پڑھنا۔ (اس میں تراویح کی نماز بھی شامل ہے اور اس کے علاوہ تہجد کی چند رکعت ہو جاتی ہیں۔ پھر اشراق، چاشت اور اوابین کا

خاص طور پر اہتمام ہونا چاہئے) دوسرے کلام پاک کی کثرت جتنی بھی توفیق ہو۔

کلام اللہ پڑھنے سے کئی فائدے نصیب ہو جاتے ہیں۔ تین چار عبادتیں اس میں شریک ہوتی ہیں اور یہ بہت باعث برکت ہیں۔ یعنی دل میں عقیدت، عظمت و محبت اور یہ خیال کر کے پڑھنے سے کہ اللہ پاک سے ہم کلامی کی سعادت حاصل ہو رہی ہے، یہ دل کی عبادت ہے، زبان بھی تکلم کرتی ہے یہ زبان کی عبادت ہے، کان سنتے جاتے ہیں، اور آنکھیں کلام الٰہی کی عبادت کے نقوش کی زیارت کرتی ہیں تو ان تمام اعضاء کو عبادات میں جداگانہ ثواب ملتا ہے۔ ان اعضاء کا اس سے اور کیا صحیح مصرف ہو سکتا ہے اور یہ سعادتیں ہی نہیں بلکہ ان میں تجلیات الٰہی مضمر ہیں۔ نور حاصل ہوتا ہے اور نور کے معنی روشنی کے نہیں بلکہ طمانیتِ قلب ہے اور اللہ تعالیٰ کا قرب و رضا ہے۔ جب تلاوت سے تکان ہونے لگے تو بند کر دیں اور پھر چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے، کلمہ طیبہ کا ورد رکھیں۔ دس پندرہ بار لا الٰہ الا اللہ تو ایک بار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھتے رہیں۔ ان متبرک ایام میں ذکر اللہ کی عادت ہو گئی تو پھر انشاء اللہ ہمیشہ اس میں آسانی ہو گی۔

اسی طرح درود شریف کی بھی کثرت رکھیئے ان محسن اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جن کی بدولت ہمیں یہ سب دین و دنیا کی نعمتیں مل رہی ہیں استغفار جی بھر کر تو کر چکے پھر بھی جب یاد آ جائیں چند بار کر لیا کریں، ماضی کے پیچھے زیادہ نہ پڑیں اب مستقبل کو سوچئے، مستقبل یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طاعات و عبادات میں زیادہ سے زیادہ وقت گذاریئے۔ اس طرح ایک مومن روزہ دار کی ساری ساعتیں عبادت ہی میں گذرتی ہیں۔ الحمد للہ علی ذلک۔

اگر تم کسی دفتر میں کام کرتے ہو تو تہیہ کر لو کہ تمہارے ہاتھ سے، زبان سے، قلم سے، خدا کی مخلوق کو کوئی پریشانی نہ ہو، کسی کو دھوکہ نہ دیں، کسی ناجائز غرض سے اس کا کام نہ روکو۔ کوئی بات شریعت کے خلاف نہ ہو، روکے رکھو اپنے آپ کو، اگر تم تاجر ہو تو صداقت و امانت سے کام کرو، کسی قسم کے ایسے لالچ یا نفع سے کام نہ کرو، جس سے کسی کو نقصان پہنچے۔ یا تمہارا معاملہ کسی کی ایذاء کا سبب بن جائے۔

آنکھیں گناہوں کا سرچشمہ ہیں۔ ان کو نیچا رکھیں۔ بدنگاہی صرف کسی پر بری نگاہ ڈالنا ہی نہیں بلکہ کسی کو حقارت کی نظر سے دیکھنا، حسد نظر یا برائی کی نظر سے دیکھنا بھی آنکھوں کا گناہ ہے۔

روزہ داروں کے بارے میں کہتے ہیں کہ بات بات پر غصہ آتا ہے، گھر کے اندر یا گھر کے باہر کہیں بھی ہوں، یہ بات اچھی نہیں ہے۔ روزہ تو بندگی و شکستگی پیدا کرتا ہے۔ عجز و نیاز پیدا کرتا ہے۔ پھر یہ روزہ کا بہانا لے کر بات بات پر غصہ اور لڑنا جھگڑنا کیسا؟ روزہ درماندگی کی چیز ہے، اس میں تواضع پیدا ہونی

چاہئے ،کوئی خلاف مرضی بات کرے تو اس سے نرمی سے بات کرو، جھک جانا چاہئے ، جھک جانے میں بڑی فضیلت ہے۔ ۳۰ دن تک یہ کر لیجئے اس میں نفس کا بڑا مجاہدہ ہو جاتا ہے جو تمام عمر کام آتا ہے۔ یہ عادت بڑی نعمت ہے جو ان دنوں میں آسانی سے ہاتھ آجاتی ہے۔

رمضان کی راتیں عبادتوں میں گذارنے سے دل میں بھی سچائی اور دیانت سے کام کی عادت ہو جاتی ہے۔اس کا اہتمام کریں کہ مسجدوں میں باجماعت نمازیں ادا کریں اور اگر توفیق اور فرصت مل جائے تو بڑے کام کی بات بتا رہا ہوں تجربہ کی بنا پر کہہ رہا ہوں کہ نماز عصر کے بعد مسجد ہی میں بیٹھے رہیں اور اعتکاف کی نیت کر لیں ،قرآن شریف پڑھیں ،تسبیحات پڑھیں ،غروب آفتاب سے پہلے **سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم** اور کلمۂ تمجید **سبحان اللہ و الحمدللہ و لا الٰہ الا اللہ، اللہ اکبر** پڑھتے رہیں اور قریب روزہ کھولنے کے خوب اللہ پاک سے مناجات کریں ،اپنے حالات ومعاملات پیش کریں ،دنیا کی دعائیں مانگیں،آخرت کی مانگیں،فراغت قلب اور عافیت کاملہ کی دعائیں مانگیں۔

اکثر دین دار عورتیں اس بات کی شکایت کرتی ہیں کہ ان کو روزہ افطار کرنے سے قبل عصر اور مغرب کے درمیان تسبیحات پڑھنے یا دعائیں کرنے کا موقع نہیں ملتا کیونکہ یہ وقت ان کا باورچی خانہ میں صرف ہو جاتا ہے،کھانا تیار کرنے میں مشغول رہتی ہیں ،مگر حقیقت یہ ہے کہ ان کا یہ وقت بھی عبادت میں گذرتا ہے،روزہ رکھتے ہوئے کھانا تیار کرنے کی مشقت گوارا کرتی ہیں جو اچھا خاصا مجاہدہ ہے، پھر روزہ داروں کے افطار اور کھانے کا انتظام کرتی ہیں ثواب ہی ثواب ہے اور جن عبادات میں مشغول ہونے کی تمنا کرتی ہیں یہ ان کی تمنا خود ایک عمل نیک ہے اس پر بھی انشاء اللہ ثواب ملے گا۔ پھر یہ بھی ممکن ہے کہ غروب آفتاب سے آدھ گھنٹا قبل انتظامات سے فارغ ہونے کا اہتمام کر لیں تو پھر ان کو بھی یکسوئی کے ساتھ رجوع الی اللہ ہونے کا موقع مل سکتا ہے۔اور اگر نہ بھی ملے تو ثواب انشاء اللہ ضرور مل جائے گا لیکن شرط یہ ہے کہ وہ شریعت وسنت کے مطابق اپنی زندگی بنائیں۔صرف نماز روزہ ہی اللہ کے فرائض نہیں ہیں اور بھی فرائض ہیں اور بھی احکامات ہیں،ان کا پورا کرنا بھی ضروری ہے،مثلاً وضع قطع لباس وپوشاک سب شریعت کے مطابق ہو۔ پردہ کا خاص اہتمام ہو، بے پردہ باہر نہ نکلیں اور ویسے بھی شریعت نے جن کو نامحرم بتایا ہے ان سے بے تکلف ملنا جلنا بھی گناہ ہے۔اس میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔آپس میں جب ملیں بات چیت کریں تو فضول تذکرے نہ چھیڑیں ،ایسے تذکرے میں عورتیں ضرور غیبت کے سخت گناہ میں مبتلا ہو جاتی

ہیں۔نام ونمود کے لئے کوئی بات نہ کہے یہ بھی گناہ ہے، اگران باتوں کا اہتمام نہ کیا تو باقی اور عبادات سب بے وزن ہوجاتی ہیں اوراس سے مواخذہ کا قوی اندیشہ ہے۔خوب سمجھ لو۔

اس ماہ مبارک میں ہرعملِ نیک کا ستر گنا ثواب ملتا ہے، چنانچہ جہاں اورعبادات وغیرہ ہیں وہاں اس ماہ مبارک میں صدقہ وخیرات خوب کرنا چاہئے ۔اپنی حیثیت کے مطابق جس قدرممکن ہو یہ سعادت بھی حاصل کرلیں ، یہ بھی خوب سمجھ لیجئے کہ اس ماہ مبارک میں جس طرح نیک اعمال کا بے حدو بے حساب اجرو ثواب ہے اسی طرح ہرگناہ کا مواخذہ اورعذاب بھی بہت شدید ہے۔عیاذاباللہ۔

اپنے مرحوم اعزہ واحباب، آباء واجداد کے لئے ایصال ثواب کرنا بھی بہت بڑے ثواب کا کام ہے ،اوربہترین صدقہ ہے، میں اپنے ذوق اورقلبی تقاضے سے ایک بات کہتا ہوں جس کا جی چاہے عمل کرے یا نہ کرے ہم پراللہ تعالی نے اپنے حقوق کے بعدوالدین کے حقوق واجب فرمائے ہیں، انھوں نے پالا پرورش کیا، دعائیں کیں ،راحت پہنچائی اورجب تک تم بالغ نہیں ہوئے تمہارے کفیل رہے ۔اورجب تم بالغ ہوئے توتم نے ان کی کیا خدمت کی ہوگی؟ تو دیکھو جتنا سرمایہ ہے اپنے زندگی بھر کے اعمال حسنہ کا اور طاعات نافلہ کا،سب نذرکردواپنے والدین کو،ان کا بہت بڑاحق ہے کیونکہ والدین کومظہرربوبیت بنایا ہے۔ اس عمل خیر کا ثواب تمہیں بھی اتنا ملے گا جتنا دے رہے ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ، کیونکہ یہ تمہاراایثار ہےاور اس کا بہت بڑاثواب ہے ۔میں تواپنی ساری عمرکی تمام عبادات وطاعات نافلہ اورتمام اعمال خیراپنے والدین کی روح پربخش دیتا ہوں اورسمجھتا ہوں کہ اب بھی حق ادانہیں ہوا۔اللہ تعالی اپنی رحمت واسعہ سے قبول فرمالیں۔اپنی عبادات نافلہ کا ثواب احیاء واموات دونوں کومنتقل کیا جاسکتا ہے۔

اس ماہ مبارک میں لیلۃ القدر ہے،لیلۃ القدرکیا چیز ہے؟ کلام پاک میں ہے کہ تم کیا جانولیلۃ القدر کیا ہے، ہزارمہینوں سے بہتر رات ہے، کہاں پاؤگے ہزارمہینے جہاں خیرخواہی ہو! اللہ تعالی کا یہ ہم پرانعام عظیم ہے اورانہیں کے خزانہ لامتناہی میں اس خیرکا سرمایہ ہے۔رمضان شریف کے مہینے کا ہردن توشب قدر کے انتظار ہی میں ہے ؎

ہرشب شب قدر است گرقدر بدانی

اوراس انتظار میں اوراس کے اہتمام میں وہی ثواب ہرروز ملے گا جوشبِ قدر میں ہے ۔اگرشب قدر ۲۷ر رمضان کو ہے تو جوروزہ پہلے رکھا وہ شب قدرہی کی جانب توایک قدم ہے، اسی طرح دوسراروزہ رکھا، تیسرا رکھا تو یہ سارے شب قدر سے قریب ہونے کا ذریعہ ہیں یا نہیں؟ جس طرح مسجد میں جانے

پر ہر قدم پر ثواب ملتا ہے اسی طرح پہلے روزہ سے شب قدر تک ہر لمحہ پر انشاء اللہ ثواب ملے گا بشرطیکہ ہم اس کے حریص ہوں۔ اب ہم لوگوں کی ہر ایک رات شب قدر ہے اور اس کی قدر کرنی چاہئے۔

شب قدر کے متعلق یہ بات بھی ہے کہ اس کا وقت غروب آفتاب سے طلوع فجر تک رہتا ہے۔ اس لئے اس کا ضرور اہتمام رکھنا چاہئے، جس قدر ممکن ہو نوافل وتسبیحات اور دعاؤں میں کچھ اضافہ ہی کر دینا چاہئے۔ ساری رات جاگنے کی بھی ضرورت نہیں جس قدر تحمل ہو بہت ہے۔ اللہ پاک نے فرمایا کہ یہ مہینہ میرا ہے تو یہ ایک ذریعہ ہے اپنے بندوں کو اپنا بنانے کا۔ اب ہم لوگ بھی اس محبت کا حق ادا کریں اور یہ امید رکھیں کہ انشاء اللہ تعالی ہمارا تعلق اللہ میاں سے قوی ہو جائے گا۔

یہ تو خلاصہ ہے رمضان شریف کے اعمال کا۔ لیکن یہ تو ذاتی طور پر تمہاری عبادات ہوئیں۔ اب دین کے مطالبات اور بھی ہیں، تمام مومنین مومنات، مسلمین مسلمات کے لئے دعائیں کرو۔ حدیث شریف میں ہے کہ اگر کوئی مسلمان روزانہ ستائیس دفعہ تمام مسلمانوں کے لئے دعائے مغفرت کرے تو اس کی ساری دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ ایمان پر خاتمہ ہوتا ہے، رزق میں فراغت ہوتی ہے اور نہ جانے کتنی برکتیں حاصل ہوتی ہیں۔

مطالبات ایمانیہ کچھ اور آگے جاتے ہیں وہ یہ کہ جو مسلمان اس زمانے میں زندقہ والحاد کی طرف جا رہے ہیں ان کی ہدایت کے لئے بھی دعائیں مانگیں۔ اس لئے کہ یہ بھی تو امتیان محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہیں۔ اللہ تعالی ان کے دلوں میں دین کی عظمت، ہدایت اور دین کا فہم عطا فرمائیں اور صحیح وقوی ایمان اور اسلام عطا فرمائیں۔

بطور لطیفہ یہ بات سمجھ میں آئی کہ: رمضان المبارک کے تین عشرے اس دعا کے مصداق ہیں: ''ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار'' پہلا عشرہ رحمت کا ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ۔ دوسرا عشرہ مغفرت کا وفی الآخرۃ حسنۃ۔ تیسرا عشرہ دوزخ سے نجات کا وقنا عذاب النار (واللہ اعلم بالصواب) رمضان کے متبرک مہینے میں یہی دعا مانگنی ہے کہ یا اللہ آپ نے (اس متبرک ماہ میں) جتنے وعدے فرمائے ہیں اور آپ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جتنی بشارتیں دی ہیں یا اللہ ہم ان سب کے محتاج ہیں آپ ہم کو سب ہی عطا فرما دیجئے۔

یا اللہ ہم لوگ جو توبہ استغفار کریں وہ سب قبول کر لیجئے۔ ہمارے متعلقین، دوست احباب کو توفیق دیجئے کہ وہ آپ کی عبادات وطاعات میں مشغول ہوں۔ ہم میں جو جو خامیاں ہیں سب کو دور کر دیجئے۔ ہم کو قوی سے قوی ایمان عطا فرمائیے۔ زیادہ سے زیادہ اعمال صالحہ کی توفیق دیجئے۔ یا اللہ ہماری آنکھوں،

کانوں، زبان اور دل کو لغویات سے پاک رکھئے۔ یا اللہ ان میں اپنے ایمان کا نور عطا فرمایئے۔

یا اللہ سب مسلمین مسلمات پر رحم فرمایئے۔ تمام مملکتوں میں جہاں جہاں مسلمان بے راہ روی میں پڑ گئے ہیں ان کے دلوں میں نفاق پیدا ہو گیا ہے اس کو دور فرما دیجئے، ان کو اتباع سنت اور شریعت کی توفیق عطا فرما دیجئے، ان کو اپنا بنا لیجئے، ان کو توبہ استغفار کی توفیق عطا فرما دیجئے۔

یا اللہ ہم یہ دعائیں آپ کی بارگاہ میں پیش کرتے ہیں اس ماہ مبارک کی برکت سے قبول فرما لیجئے۔ یا اللہ جو مانگ سکے وہ بھی دیجئے اور جو نہ مانگ سکے وہ بھی دیجئے، جس میں ہماری بہتری ہو دین و دنیا کی فلاح ہو یا اللہ وہ سب ہم کو عطا کیجئے۔ نفس و شیطان سے ہم کو بچایئے، اپنی رضائے کاملہ عطا کیجئے۔

یا اللہ آپ کا وعدہ ہے کہ یہ مہینہ آپ کا ہے، اس ماہ مبارک میں ہم کو اپنا بنا لیجئے۔ یا اللہ آپ مربی ہیں، رحیم ہیں، غفور ہیں، ہماری پرورش کرنے والے ہیں، ہمارے رزاق ہیں، ہمارے کارساز ہیں، تو پھر یا اللہ ہم سے ہماری ان غفلتوں کو دور کر دیجئے۔ اپنا صحیح تعلق عطا فرما دیجئے۔ ہمارے سارے معاملات دین کے ہوں یا دنیا کے یا اللہ سب آسان کر دیجئے، مرنے کے بعد برزخ کے تمام معاملات آسان کر دیجئے۔ یوم حساب کا معاملہ آسان کر دیجئے اور اپنی رضائے کاملہ کے ساتھ جنت میں داخل کر دیجئے۔ یا اللہ اپنے محبوب شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امتی ہونے کی حیثیت سے حشر میں ہم پر اپنی رحمتیں نازل فرمایئے، ہم کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کبریٰ نصیب فرمایئے۔ ہمارے ظاہر کو بھی پاک کر دیجئے اور باطن کو بھی پاک کر دیجئے۔

یا اللہ ہمیں رمضان مبارک کے ایک ایک لمحے کے انوار و تجلیات چاہے ہم محسوس کریں یا نہ کریں آپ سب عطا فرما دیجئے۔ یا اللہ ہمارے روزے اور عبادات چاہے ناقص ہی ہوں آپ اپنے فضل سے قبول فرما لیجئے اور کامل اجر عطا فرمایئے۔ یا اللہ جو جو دشواریاں، بیماریاں، پریشانیاں جن میں ہم مبتلا ہیں اور آنے والے خدشات آفات ہیں ان سب سے ہم کو محفوظ رکھئے۔ یا اللہ کھانے پینے کی چیزوں میں گرانی روز افزوں ہوتی جا رہی ہے، ملاوٹ ہو رہی ہے، وبائیں آ رہی ہیں، بیماریاں پھیل رہی ہیں، سب سے حفاظت فرمایئے، ہم کو پاکیزہ اور ارزاں غذائیں عطا فرمایئے۔ یا اللہ ایمان والوں کے لئے آج کل کا معاشرہ (تہذیب وتمدن کی لعنتوں کا ماحول) جہنم کدہ بنا ہوا ہے اس کو گلزار ابراہیم بنا دیجئے۔ ہماری تمام حاجات پوری فرمایئے، ہم کو اسلام پر قائم رکھئے اور ہمارا خاتمہ ایمان پر فرمایئے۔ آمین بحق سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واصحابہ اجمعین۔

اللھم صل علی سیدنا محمد و علی آل سیدنا محمد و بارک و سلم

☆☆☆

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

فریضۂ صیام کی حکمتیں

[اس مقالہ میں ''حجۃ اللہ البالغۃ'' سے استفادہ کیا گیا ہے۔]

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۱۸۳﴾ (البقرۃ)

اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جیسے تم سے پہلوں پر کئے گئے تھے، تاکہ شاید تم میں تقوی پیدا ہو۔

اسلام اپنے پیرووں کو جس اعتدال، ضبط نفس، اطاعت اور روحانیت کے کمال تک پہنچانا چاہتا ہے اس کے لئے اس نے دو راستے اختیار کئے۔

جو اشیاء اور اعمال انسان کی زندگی میں خود فراموشی، سخت بے اعتدالی، معصیت اور ارتکابِ جرم کی طرف طبعی میلان، پستی اور بے عملی کی طرف رجحان اور سرکشی کی طرف رغبت، دنیا کی زندگی کی بڑھی ہوئی ہوس، اور تعیش وفسق وفجور کا بحران، بے حیائی اور بے غیرتی کی ترغیب پیدا کرتے ہیں ان سب کو اس نے ابدی طور پر انسان کے لئے ممنوع قرار دے دیا، جس میں عمر کے کسی مرحلے، زمانے کے کسی اختلاف، اور ملک ومقام کے کسی امتیاز کو دخل نہیں ہے۔ ممنوعات کی اس فہرست میں وہ تمام معاصی داخل ہیں جو کبھی انسان کے لئے حلال اور جائز نہیں، مثلاً شراب، لحم خنزیر، قمار، ربوا، مال حرام اور دوسرے معاصی۔

جب کوئی شخص اسلام قبول کرتا ہے یا مسلمان سن بلوغ کو پہنچتا ہے تو وہ ان تمام چیزوں سے روزہ رکھ لیتا ہے، اس روزے کی ابتداء یا اس زندگی کی صبح صادق، اسلام کے احکام کا مخاطب بن جانا ہے۔ اب اس روزے کا افطار عمر کے آفتاب کے غروب ہونے سے پہلے نہیں ہے۔ یہ ایک طویل روزہ ہے جو ہر مسلمان کو سفر وحضر میں رکھنا ہوتا ہے اور حالت اضطرار (شرعی) کے سوا کوئی استثناء نہیں، شریعت کے مقاصد کے

حصول کے لئے اوران معاصی کو بند کرنے کے لئے جن کا اوپر تذکرہ کیا گیا ہے یہ روزہ لازمی ہے۔

ان منصوص چیزوں کے علاوہ لذت کی تمام چیزیں (بشرطیکہ وہ حرمت وکراہت سے خالی ہوں) مباح اور جائز ہیں، ان سے خواہ مخواہ کے لئے رکنا پسندیدہ نگاہ سے نہیں دیکھا گیا اوران حلال چیزوں کو اپنے لئے حرام کرلینا شریعت میں ایک طرح کی تحریف، دین میں تشدد اور کفران نعمت قرار دیا گیا ہے۔

''قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللهِ الَّتِيْ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ'' (آپ کہہ دیجئے کہ کس نے حرام کیا ہے اللہ کی اس زینت اور پاک رزق کو جو اس نے اپنے بندوں کے لئے نکالا ہے، آپ کہہ دیجئے کہ یہ سب چیزیں ایمان والوں کے لئے دنیا میں بھی ہیں اور آخرت میں تو مخصوص طور پر۔

دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے کہ کھانا پینا ناجائز نہیں بلکہ اسراف ناجائز ہے: ''فَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا'' (پس کھاؤ اور پیو اور اسراف مت کرو۔)

لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان مباحات ولذائذ کا بے قید اور دائمی استعمال، لذتوں میں انہماک، اکل وشرب کی دائمی آزادی، اس جادۂ اعتدال سے انسان کو ہٹا دیتی ہے جس پر دین مسلمان کو دیکھنا چاہتا ہے، اس کے رجحانات اور مقاصد زندگی کو بدل دیتی ہے اور بعض اوقات نفس پروری، شکم پروری، ناؤنوش، اور بعیش کوش مقصود زندگی بن جاتا ہے۔ طبیعت میں ایک طرح کی بلادت اور بے حسی پیدا ہوجاتی ہے، ضبط نفس اور جفاکشی کی قوت باقی نہیں رہتی، تن آسانی اور تنعم کی خو پیدا ہوجاتی ہے، انسانیت کی روح کچل جاتی ہے اور روحانی جذبات مردہ ہوجاتے ہیں، سالہا سال اور بعض اوقات پوری عمر حقیقی روحانی مسرت، سبک روحی، دماغ کی یکسوئی، ذکر وعبادت میں لذت، مناجات کی حلاوت نصیب نہیں ہوتی، بعض لوگوں کو برسوں خالی پیٹ ہونے اور اعتدال کی سعادت حاصل نہیں ہوتی اور وہ اس کا مزہ نہیں جانتے۔

اس اعتدال، ضبط نفس، اور روحانیت کی قوت کو بڑھانے کے لئے دو راستے تھے، ایک تقلیل طعام کا راستہ تھا لیکن اس میں دو نقص ہیں، ایک تو اس کا عمومی معیار، سب کے لئے ایک مقدار مقرر کرنا نہایت مشکل ہے، اور اس کو لوگوں کی رائے اور تمیز پر چھوڑنا بھی دشوار، کہ اول تو یہ اصول تشریع (آئین سازی) کے خلاف ہے، دوسرے مذاہب واخلاق کی تاریخ میں اس کا تجربہ ہمیشہ ناکام رہا ہے، لوگوں نے اس آزادی اور اختیار کا ہمیشہ غلط استعمال کیا ہے، اور مبہم اور غیر معین احکام عملاً بیکار و بے نتیجہ ہو کر رہ گئے (جیسے

بہت سے اخلاقی نصائح و اور ہدایات) دوسرے اکثر محض تقلیل طعام بہت طبائع کے لئے بالکل غیر مؤثر اور بے نتیجہ تدبیر ہے۔

دوسرا راستہ یہ ہے کہ کوئی ایسا طویل وقفہ مقرر کیا جائے جس میں کوئی چیز استعمال نہ ہو، یہ طریقہ زیادہ حسّی، زیادہ مؤثر اور قوت بہیمیہ کو زیادہ کمزور کرنے والا ہے، یہ وقفہ دین کی اصطلاح میں صوم یا روزہ ہے جس کے خاص احکام و شرائط ہیں جو بہت گہرے تشریعی اور نفسیاتی اسرار پر مشتمل اور حکم و مصالح پر مبنی ہیں۔

۱۔　روزہ صبح صادق سے شروع ہو کر غروب آفتاب تک رہتا ہے، اگر یہ وقفہ پورے دن سے کم ہوتا تو اس کا کوئی خاص اثر شعور و طبیعت پر نہ پڑتا، زندگی میں ایسے اتفاق ہوتے رہتے ہیں کہ کئی کئی وقت کا کھانا ناغہ ہو جاتا ہے، اگر محض یہی ہو کہ دن میں چند گھنٹوں کا روزہ رکھا جائے تو اس کا کوئی خاص احساس اور اصلاحی اثر نہ پڑے گا اور بہت سے لوگوں کو ایسا معلوم ہوگا کہ گویا اپنے حساب سے ایک روز ذرا دیر سے کھانا کھایا۔

۲۔　یہ روزے رمضان کے ۳۰ یا ۲۹ دن رکھے جاتے ہیں، اس لئے کہ ایسے وقفے مسلسل ہوں تاکہ ان کے نقوش دیرپا ہوں، ایک طویل وقفہ سے یہ بہت زیادہ مفید ہے کہ متواتر متعدد متوسط درجے کے وقفے ہوں۔

۳۔　ان وقفوں کی تعداد کا تعین بھی ضروری ہے کہ اس کو مبہم اور غیر معین چھوڑ دینے سے افراط و تفریط کا اندیشہ ہے، بہت سے لوگ بہت تھوڑے روزے رکھتے اور بہت سے لوگ بہت زیادہ روزے رکھتے، اور پھر جب یہ عالم گیر فریضہ ہے، اور تشریع عام مقصود ہے تو اس میں انتخاب کا حق نہیں رہنا چاہئے تھا کہ جو شخص جس مہینے میں چاہے روزے رکھے، اس سے عام طور پر حیلہ جوئی، عذر اور بے عملی کا دروازہ کھلتا ہے اور گریز کی راہ پیدا ہو جاتی ہے، احتساب اور باز پرس کا کوئی موقع باقی نہیں رہتا، وعظ و نصیحت اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا دروازہ بند ہو جاتا ہے، جس شخص سے بھی کسی وقت اس بارے میں گفتگو کی جائے وہ یہ کہہ کر منہ بند کر سکتا ہے کہ میرا معمول فلاں مہینے میں ہے اور اس کا کوئی جواب نہیں، اور اس طرح رفتہ رفتہ اس چیز کا رواج مٹ جائے گا۔

۴۔　ایک ہی وقت میں تمام روئے زمین کے مسلمانوں کے روزہ رکھنے میں بڑی حکمت ہے، مسلمانوں کی بڑی جماعت کا فریضہ صیام کو اہتمام کے ساتھ ایک وقت میں ادا کرنا کمزور طبیعت والوں

کے لئے بھی ہمت افزا، شوق انگیز اور فریضہ کی ادائیگی میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔ ایک عالم گیر روحانی ماحول اور ایک عمومی دینی فضا پیدا ہوجاتی ہے جو قلوب وارواح کے لئے موسم بہار کی سی تاثیر رکھتی ہے، جس میں تھوڑی توجہ سے ہر چیز میں نشو ونما پیدا ہونے لگتا ہے۔ مسلمانوں کے اس روحانی فریضہ میں مشغول ہونے سے ملکوتی انوار وبرکات کا نزول ہوتا ہے، اور عوام کے آئینۂ دل پر انوار کا انعکاس ہوتا ہے، مسلمان عالم کے جس گوشے میں بھی ہو اس کو روزہ دارانہ فضا معلوم ہوتی ہے جو اس سے خود ہی تقاضا کرتی ہے کہ وہ بھی روزہ دار ہو، مسلمان روزہ شکنی کر کے اپنے کو اس ماحول میں اجنبی اور ایک طرح کا مجرم سمجھتا ہے۔

۵۔ ان تمام حکمتوں کی بنا پر سال میں ایک پورا مہینہ روزہ کے لئے مخصوص کر دیا گیا۔ دوسری خصوصیات کے علاوہ جن کا ہمیں علم نہیں رمضان کی تخصیص کی ایک کھلی وجہ یہ ہے کہ اس ماہ مبارک میں نزولِ قرآن کا سلسلہ شروع ہوا اور روزہ اور قرآن میں خاص مناسبت ہے، قرآن چونکہ عالم غیب اور عالم روحانیت کی چیز ہے اور روزہ عالم مادی سے بہت حد تک آزادی، قلب وروح میں لطافت اور عالم غیب اور عالم روح سے ایک طرح کی مناسبت پیدا کر دیتا ہے، روزہ دار پر خدا کی صفات کا ایک پرتو اور اس کی شان صمدیت کا ایک اثر پیدا ہوجاتا ہے، اس لئے قرآن کے دل میں بسنے اور روح میں پیوست ہونے کا خاص موقع ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن کے حصے کو مختلف طریقوں سے روزہ میں زیادہ سے زیادہ داخل کیا گیا —— اور یہی تراویح کی حکمت ہے۔

۶۔ روزہ زندگی میں ایک ایسا محسوس فرق اور امتیاز پیدا کر دیتا ہے کہ بے حس سے بے حس انسان کو بھی اپنے سابقہ طرز زندگی، غفلت شعاری، اور دنیاوی انہماک میں تخفیف کا طبعی تقاضا پیدا ہوجاتا ہے، رمضان ایک مہمیز کا کام دیتا ہے جو سوئی ہوئی طبیعتوں کو جگانے، بجھے ہوئے دلوں کو گرمانے، آتش محبت کو بھڑکانے اور دبی چنگاریوں کو ابھارنے کا سامان پیدا کر دیتا ہے، انسان کی فطرت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تنوع اور اختلاف کو انسان کے بیدار اور ہوشیار کرنے اور اس کی کند طبیعت کو تیز کر دینے میں بڑا دخل ہے، رات دن کے اختلاف کو انسان کی جسمانی روحانی تازگی میں خاص دخل ہے، قرآن کہتا ہے: ''هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّکَّرَ اَوْ اَرَادَ شُکُوْرًا'' (وہی ہے جس نے بنایا رات اور دن کو ایک دوسرے کا جانشین واسطے اس کے جو سوچے اور شکر گذاری کا ارادہ کرے۔)

دوسری جگہ فرمایا: ''اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ

لَآیَاتٍ لِأُولِی الْأَلْبَابِ الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا'' (بلاشبہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور اختلاف لیل ونہار میں نشانیاں ہیں ان اہل عقل ودانش کے لئے جو یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے اور بیٹھے۔)

جس طرح سے کہ مادی طور پر رات دن کا اختلاف اور ہر نئی صبح کا طلوع انسان میں ایک شعور، ایک نئی آمادگی اور خالق کی طرف توجہ پیدا کر دیتا ہے۔اسی طرح روحانی طور پر رمضان کی سالانہ آمد مسلمانوں کی بستیوں اور آبادیوں میں روحانیت کا احساس ،دینی بیداری، اپنی کوتاہیوں پرندامت ،مجرموں میں اپنے جرائم پرندامت اور خدا کی طرف ایک توجہ اور انابت پیدا کر دیتی ہے،اور اگر مادیت نے قلب کو بالکل بے حس نہیں بنا دیا ہے تو صدہا آدمیوں کوتوبہ اور اصلاح کی توفیق ہوجاتی ہے،رمضان سالانہ احتساب اور اپنی سابق زندگی کا جائزہ لینے کا ایک بہترین موقع ہے،ہر شخص آسانی سے دیکھ سکتا ہے کہ اس نے گذشتہ رمضان سے اس رمضان تک کیسی زندگی گذاری ہے،اور اس نے دینی حیثیت سے کہاں تک ترقی کی ہے۔

۷۔ رمضان ہر سال ہر شخص کو اپنی سطح سے ترقی دینے کے لئے آتا ہے جو شخص جس سطح تک پہنچ گیا ہے خواہ وہ سطح کتنی ہی بلند کیوں نہ ہو اس سے بلند کرنے کی طاقت اس میں موجود ہے، ہر شخص عمل ،روحانیت، ذکر وعبادت، تعلق باللہ، اخلاص، جفاکشی ومجاہدہ، زہد وقناعت، ایثار، غمخواری اور مواساۃ کی جس منزل ومقام پر بھی ہے ہر نیا رمضان اس کو اس سے آگے بڑھانے کے لئے اور زیادہ بلند منزل کا شوق دلانے کے لئے آتا ہے۔رمضان کی ساخت ،رمضان کا نظام ،رمضان کے اجزاء، رمضان کے مشاغل اور رمضان کا ماحول ایسا بنایا گیا ہے کہ ہر شخص کو اپنے کو خود ترقی دینے کا موقع حاصل ہوتا ہے، مادی موانع تقریباً دور ہو جاتے ہیں ، ذکر وعبادت میں جذبۂ مسابقت پیدا ہوتا ہے ،اچھے دینداروں اور روزہ داروں کا ساتھ ہوتا ہے ،قرآن مجید کی تلاوت اور مطالعہ کا زیادہ سے زیادہ موقع ملتا ہے ،قلب وروح میں لطافت پیدا ہوتی ہے ،غرض وہ سارے مواقع بہم پہنچ جاتے ہیں جو انسان کی روحانی ترقی اور اصلاح کے لئے ضروری اور مفید ہیں، اور ہر شخص کو اپنی سطح کے مطابق ترقی ہوتی ہے۔

۸۔ رمضان کے روزے کی ایک دوسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ اطاعت الٰہی کا ایک کھلا ہوا مظہر ہے، اس سے بڑھ کر اطاعت کا ثبوت کیا ہوسکتا ہے کہ نعمتوں کی موجودگی میں اور ہر چیز کے استعمال کی قدرت کے باوجود محض امتثال حکم کے لئے آدمی اپنے ہونٹوں پر قفل لگا لیتا ہے، یہ قفل اللہ کے حکم

ہی سے کھلتا ہے اور اللہ کے حکم ہی سے لگتا ہے، جب نہ کھانے کا حکم ہو اس وقت کھانا گناہ اور جب کھانے کا حکم ہو جائے تو اس وقت تعمیل ارشاد میں دیر کرنا غلطی ہے، اسی لئے آفتاب کے غروب ہو جانے کے بعد افطار کرنے میں تاخیر کرنا مکروہ ہے۔

۹۔ روزہ میں جب وہ چیزیں بھی ممنوع ہو جاتی ہیں جو روزہ کے علاوہ ہمیشہ سے حلال وطیب ہیں اور روزہ کے بعد ہمیشہ حلال وطیب رہیں گی تو وہ چیزیں کیسے ممنوع نہ ہوں گی جو روزہ سے پہلے بھی حرام اور ممنوع تھیں اور روزہ کے بعد بھی حرام اور ممنوع ہوں گی یعنی غیبت، لڑائی جھگڑا، گالی گلوج، بے حیائی، جھوٹ، روزے کی روح یہ ہے کہ تمام گناہوں سے اجتناب اور نفرت پیدا ہو، اور روزے کے درمیان میں ان سے مکمل اجتناب ہو، اگر صرف نہ کھانے پینے سے روزہ رہا اور تقوی نہ پیدا ہوا تو ایک بے روح روزہ ہے جو صرف ڈھانچہ ہے، اس میں روح نہیں، اسی لئے حدیث میں فرمایا گیا ہے: ''من لم یدع قول الزور والعمل بہ فلیس للہ حاجۃ ان یدع طعامہ و شرابہ'' (جو شخص روزہ کی حالت میں بھی) جھوٹ بولنا اور غلط کام کرنا نہ چھوڑے تو اللہ کو کوئی ضرورت نہیں کہ وہ شخص کھانا پینا چھوڑ دے)

(ماخوذ از الفرقان: شعبان ۱۴۱۷ھ)

☆☆☆

آن لائن ماہنامہ الفرقان Online Monthly Alfurqan

آپ الفرقان کا تازہ شمارہ نیز اسکے پچھلے سالوں کے شمارے انٹرنیٹ پر بطور E-Magazine ڈاؤن لوڈ کر کے پڑھ سکتے ہیں۔

www.taubah.org پر جا کر الفرقان والی Window پر کلک کریں،
اس ویب سائٹ پر مدیر الفرقان حضرت مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی مدظلہ کے مختلف، دینی، علمی، اصلاحی بیانات، اور حالیہ تفسیر قرآن (چنندہ) بھی سُن سکتے ہیں۔

ہر ماہ کا تازہ شمارہ اس مہینہ کی ۲۰ تاریخ کے بعد Upload کیا جاتا ہے۔

ماہنامہ الفـــرقـــان کے خریداروں سے ایک اہم گذارش

’’خریداری نمبر‘‘ اور’’مدت خریداری‘‘ سے متعلق

☆ کیا آپ کو اپنا خریداری نمبر (.Subscription No) اور آپ کی مدتِ خریداری (Subscription validity) معلوم ہے؟؟؟؟ اگر نہیں تو فوراً معلوم کریں، اور اسکو نوٹ کر کے اپنے پاس محفوظ کرلیں۔۔۔۔ اسی طرح مدتِ خریداری کب ختم ہو رہی ہے؟ اس بات کو بھی محفوظ کرلیں؛ تاکہ آپ مدت خریداری کے ختم ہوتے ہی زرِتعاون فوری طور پر بغیر کسی تاخیر کے ارسال کرسکیں۔۔۔۔

’’زرِتعاون‘‘ ارسال کرنے اور VP سے متعلق

☆ مدتِ خریداری ختم ہوتے ہی جلد از جلد بلا تاخیر اپنا چندہ روانہ فرمادیں۔۔

☆ اگر آپ بذریعہ منی آرڈر اپنا زرِتعاون بھیج رہے ہیں، تو پیغام کی جگہ پر اپنا پورا پتہ صاف صاف لکھیں، پن کوڈ ضرور درج کریں، ساتھ ہی ساتھ فون نمبر بھی لکھیں، جو حضرات EMO (Electronic money order) کے ذریعہ زرِتعاون ارسال کرتے ہیں وہ حضرات اپنا خریداری نمبر ضرور ارسال فرمائیں، کیونکہ EMO میں پتہ پرنٹ ہونا مشکل ہوتا ہے، اس لئے اپنا خریداری نمبر ضرور درج کردیں۔ تاکہ آپ کو VP کے ذریعہ رسالہ نہ روانہ کیا جائے۔۔۔ کیونکہ تاخیر کی صورت میں اگر اطلاع نہیں کی گئی تو مقررہ تاریخ میں رسالہ بذریعہ VP روانہ کردیا جائے گا، اِس بیچ اگر آپ نے زرِتعاون بھیج دیا، اور VP بھی یہاں سے روانہ ہوچکی، تو VP کے مزید Rs.35 آپ پر بار ہوگا، اور اگر آپ نے VP واپس کردی تو الفـــرقـــان کو فی شمارہ Rs.40 کا نقصان ہوتا ہے۔

☆ اگر کسی وجہ سے مدتِ خریداری کے ختم ہوتے ہی آپ زرِتعاون ارسال نہیں کرپائے، اور تاخیر کی اطلاع بھی دفتر میں نہیں کرسکے، تو فوری طور پر آفس فون کر کے اپنا خریداری نمبر بتا کر معلوم کرلیں کہ میرا رسالہ بذریعہ VP روانہ ہوچکا یا نہیں؟ اگر نہیں! تو فوراً اپنا تعاون ارسال فرمائیں۔۔۔ اگر VP روانہ کی جاچکی ہے تو اب صرف VP کا انتظار فرمائیں۔ اور VP پہونچنے پر اسکو ضرور حاصل کرلیں، واپس نہ کریں تاکہ آپ کی وجہ سے ادارۂ الفـــرقـــان کا نقصان نہ ہو۔

☆ اگر آپ نے صحیح وقت پر زرِتعاون روانہ کردیا، مگر کسی وجہ سے وقت پر وہ الفـــرقـــان نہیں پہونچا، یا اسکی اطلاع الفـــرقـــان نہ پہونچ سکی، اور الفرقان سے VP آپ کو روانہ کردی گئی، تو ہماری درخواست ہے کہ آپ اُس VP کو وصول فرمالیں، اس صورت میں آپ کی مدت خریداری میں دو سال کا اضافہ ہوجائے گا۔ البتہ آپ VP واپس کرنے میں حق بجانب تو ہوں گے، مگر بہر حال الفـــرقـــان کو Rs.40 کا نقصان ہوگا۔

غیر ضروری سمجھ کر آپ اس صفحہ کو نظر انداز نہ کریں،

ناظم شعبہ رابطۂ عامہ ماہنامہ الفـــرقـــان لکھنؤ

خطابِ عید الفطر

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

بنی اسرائیل اور امت مسلمہ

[والد ماجد حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ عیدین کے موقع پر دار العلوم ندوۃ العلماء کی وسیع مسجد میں ہزاروں اہالیان لکھنؤ کے مجمع میں جو خطاب کرتے تھے وہ ''انذار و تبشیر'' پر مشتمل ایسا خطاب ہوتا تھا جو نہ جانے کتنی زندگیوں کا رخ بدل دیا کرتا تھا، ذیل میں ایسا ہی ایک خطاب پیش کیا جا رہا ہے جو ۱۴۰۵ھ کی عید الفطر کے موقع پر ہوا تھا، اور محرم ۱۴۰۵ھ (اکتوبر ۱۹۸۴ء) کے شمارے میں شائع ہوا تھا۔]

الحمد للہ الذی ھدانا لھذا و ما کنا لنھتدی لو لا ان ھدانا اللہ۔ لقد جاءت رسل ربنا بالحق۔ صلوات اللہ علیھم و علی من تبعھم باحسان، اما بعد

میرے عزیز بھائیو اور دوستو اور محترم بزرگو! اس وقت بہت ضروری سمجھ کر ایک بہت اہم بات کہنا چاہتا ہوں۔ میرے محترم بزرگ اور میرے عزیز بھائی و دوست دلوں کو خوب متوجہ کر کے سنیں۔

آپ میں سے جو حضرات قرآن کریم کی تلاوت کے ساتھ ترجمۂ قرآن یا درس قرآن کے حلقوں میں شرکت کے ذریعہ اس کے مضامین سے تھوڑی بہت واقفیت رکھتے ہوں گے انہیں یہ بات معلوم ہوگی کہ قرآن مجید میں جا بجا بڑی کثرت سے بنی اسرائیل کا تذکرہ ہے۔ قرآن مجید تاریخ کی کتاب نہیں ہے، قصہ کہانی کی کتاب نہیں ہے، وہ کتابِ ہدایت ہے، اس میں جو کچھ ہے ہدایت کے لئے ہے، بنی اسرائیل کا کثرت سے قرآن نے جو ذکر کیا ہے وہ بھی ہماری ہدایت اور تربیت کے مقصد سے کیا ہے۔

بنی اسرائیل کون تھے؟ یوں سمجھئے کہ وہ اپنے وقت کے مسلمان تھے، انبیاء علیہم السلام کے ماننے والے تھے، بلکہ ان کی اولاد تھے، حضرت ابراہیمؑ کے ایک صاحبزادے حضرت اسحاق تھے ان کے ایک صاحبزادے حضرت یعقوب تھے، جن کا لقب اسرائیل تھا، انھیں کی اولاد ہے جو بنی اسرائیل کہلاتی ہے۔ یہ

سب وہ تھے جو اپنے سلسلہ کے پیغمبروں کو مانتے تھے، یہ سب ابراہیمؑ، اسحاقؑ اور یعقوبؑ پر ایمان رکھتے تھے —— حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں جو بنی اسرائیل تھے وہ دو حصوں میں تقسیم تھے، ایک وہ جو عیسیٰؑ علیہ السلام کو نہیں مانتے تھے، انکو جھٹلاتے تھے اور ان کے بارے میں بری باتیں کہتے تھے، لیکن ان سے پہلے کے پیغمبروں کو وہ بھی مانتے تھے۔ اور دوسرا طبقہ وہ تھا جو عیسیٰ علیہ السلام کو بھی مانتا تھا، قرآن مجید ان سب کو بنی اسرائیل کہتا ہے، یہ دراصل ایک ہی نسل تھی، ایک ہی سلسلہ تھا، ان کا حال سمجھ لیجئے جیسے کہ ہم اور آپ مسلمان ہیں، قرآن کو اللہ کی کتاب مانتے ہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبی اور رسول مانتے ہیں۔ اسی طرح یہ بنو اسرائیل اپنے سلسلہ کے پیغمبروں کو مانتے تھے اور ان کے ذریعہ آئی ہوئی اللہ کی کتابوں کو بھی مانتے تھے لیکن تھوڑے بہت فرق کے ساتھ ان کا حال ایسا ہی بگڑا ہوا تھا جیسا کہ ہم مسلمانوں کا بگڑا ہوا ہے —— یہ ان کا عمومی حال تھا۔ پوری امت پر نظر ڈالی جاتی تو عام حال یہی نظر آتا، ایسا نہیں تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ان میں کوئی ایک اللہ کا بندہ ایسا نہ ہو جو صحیح راستے پر ہو، قرآن مجید میں کئی جگہ پر صاف صاف کہا گیا ہے کہ اہل کتاب بنی اسرائیل میں بہت نیک اور پارسا افراد بھی موجود تھے —— ایک جگہ فرمایا گیا ہے: ”ذٰلِكَ بِأَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيسِينَ وَرُهْبَانًا وَّأَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ‎.‏ وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَى الرَّسُوْلِ تَرَى أَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ، يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِيْنَ۔ اس آیت میں حبشہ کے نصاریٰ کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ ان میں ایسے اچھے علماء اور درویش تھے جن میں استکبار نہیں تھا، آگے ان کا یہ حال فرمایا گیا جب وہ قرآن پاک کی آیتیں سنتے ہیں تو فوراً حق کو پہچان لیتے ہیں اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں، اور وہ اللہ کے حضور میں عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! ہم ایمان لاتے ہیں، تو ہم کو حق کی شہادت دینے والوں میں لکھ لے۔

الغرض ان اہل کتاب میں ایسے ایسے نیک صفت اور مخلص اور حق پرست افراد موجود تھے، لیکن جہاں تک پوری امت کا سوال ہے تو اس کا وہی حال تھا جو میں نے ابھی ذکر کیا۔

ایک حدیث میں یہی مضمون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوں بیان فرمایا ہے: ”**ان اللہ نظر الی اهل الارض فمقتهم عربهم و عجمهم الا بقایا من اهل الکتاب و فی روایة الا بقایا من بنی اسرائیل**“ اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے زمانہ کی بات ہے کہ اللہ کی نظر میں ساری دنیا تھی

لے یہ سورۂ بقرہ کی آیات ۸۴ کا مضمون ہے واذ اخذنا میثاقکم ----تا---وانتم تشھدون۔

مشرق ومغرب، شمال وجنوب، عرب وعجم سب پر اس کی نگاہ تھی اور سب کی زندگی اللہ کے نزدیک سخت ناپسندیدہ تھی، اور اللہ کے غضب کا مستحق بنانے والی تھی، یہ عام حال تھا، ہاں اہل کتاب (بنی اسرائیل) میں سے کچھ ایسے بچے کھچے افرادرہ گئے تھے جن کی زندگی ایسی نہیں تھی اور جو صحیح راستے پر تھے ان سے اللہ ناراض نہیں تھا۔

قرآن مجید میں پہلے ہی پارہ کا نواں رکوع یہاں سے شروع ہوتا ہے: ''وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِيْ إِسْرَائِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِّنكُمْ وَأَنتُم مُّعْرِضُونَ'' اس آیت میں ان موٹی موٹی باتوں کا ذکر کیا گیا ہے جن کا حکم بنواسرائیل کو دیا گیا تھا، یہ موٹی موٹی باتیں یہ تھیں: توحید، والدین کے ساتھ حسن سلوک، اہل قرابت، یتیم بچوں اور عام اہل حاجت کے حقوق کی پوری پوری ادائیگی اور بلا تفریق کے تمام انسانوں کے ساتھ نرم گفتگو اور اچھا معاملہ، نیز نماز وزکوۃ کا پورا اہتمام۔

جیسا کہ آپ سب نے محسوس کیا ہوگا یہ وہ اصولی ہدایات اور تعلیمات ہیں جن پر ہر نبی اور ہر خدائی کتاب کی تعلیمات میں زور دیا گیا ہے۔ قرآن کی اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کی بنیادی تعلیمات بھی یہی ہیں۔ بنی اسرائیل کو بھی یہی ہدایات دی گئی تھیں لیکن پھر ہوا کیا؟ قرآن کہتا ہے: '' ثم تولیتم الا قلیلا منکم وأنتم معرضون'' پھر تم نے (کچھ دن کے بعد) ان ہدایات سے منہ موڑ لیا اور بے توجہی اختیار کرلی سوائے چند افراد کے۔ قرآن نے یہاں یہ نہیں کہا کہ عام طور پر تم لوگوں نے انکار کر دیا اور مرتد ہو گئے بلکہ قرآن کہتا ہے کہ تمہارا عمومی حال یہی ہو گیا ہے کہ عام طور پر تمہیں کوئی تعلق نہیں رہا، حالانکہ تم نے زبان سے ان چیزوں کو جھٹلایا نہیں اور یہ حال بھی تمہاری اکثریت کا ہوا۔ البتہ ایسے تھوڑے سے افراد تم میں سے موجود ہیں جو اس عمومی بگاڑ میں مبتلا نہیں ہوئے۔

ان اصولی ہدایات کے ساتھ ساتھ بنی اسرائیل کو خصوصی تاکید آپس میں ایک دوسرے کے ناحق خون نہ بہانے اور گھر سے بے گھر نہ کرنے کی بھی کی گئی تھی، چنانچہ قرآن مجید میں ان اصولی ہدایات کے ذکر کے بعد اس خاص ہدایت کا بھی ذکر کیا ہے [۱] اور پھر یہ بتایا کہ بنی اسرائیل نے جو معاملہ ان اصولی ہدایات کے ساتھ کیا تھا یعنی عملی بے تعلقی اور بے توجہی کا معاملہ وہی معاملہ انھوں نے اس خصوصی ہدایت کے ساتھ بھی کیا، البتہ اس خصوصی ہدایت کے صرف ایک جزو پر انھوں نے عمل کیا، گویا یوں سمجھئے کہ انھوں نے اللہ کے اکثر حکموں کو نظر انداز کر دیا اور کچھ ایسی جزوی ہدایات پر عمل کیا جن میں ان کو اپنا ذاتی یا قومی نفع نظر آیا۔

قرآن نے ان کے اس پورے رویے کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی ہے: ''اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ''، یعنی کیا تمہارا حال یہ ہوگیا ہے کہ تم اللہ کے کچھ حکموں کو مانتے ہو اور کچھ حکموں کو نہیں مانتے ہو، تم نے اللہ کے کچھ حکموں کے ساتھ ایمانی معاملہ کیا اور باقی کے ساتھ کافرانہ رویہ رکھا؟ ہم اور آپ غور کریں کچھ حکموں پر عمل کو ان حکموں پر ایمان کا نام دیا اور کچھ حکموں پر عمل نہ کرنے کو ان حکموں کے کفر کے نام سے یاد کیا۔ اسی سے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ جس ایمان پر خدا کے یہاں وعدے ہیں اس ایمان کا کیا مفہوم ہے، اور جس کفر پر دنیا وآخرت کی عبرت ناک سزاؤں کا ذکر ہے اس کفر سے کیا مراد ہے؟ اس کے بعد قرآن بنی اسرائیل کو ان کے اس رویے کی سزا سناتا ہے، لرزا دینے والی سزا، فرمایا گیا ہے: ''فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰى اَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ''، جس امت کا یہ حال ہو کہ اس کی اکثریت اللہ کے کچھ حکموں پر عمل کرے اور زیادہ تر حکموں پر عمل نہ کرے اس کا انجام اس کے سوا اور کیا ہوگا کہ دنیا میں رسوائیاں اس پر مسلط ہوں گی، ذلتیں اس کا مقدر بنیں گی اور پھر اسی پر حساب بے باق نہیں ہوجائے گا، قیامت کے دن سے ان پر سخت ترین عذاب ہوگا۔

میرے دوستو! اب میں آپ سے کہتا ہوں کہ بنی اسرائیل کا ذکر کرکے اور ان کی تاریخ سنا کر دراصل ہمارے سامنے ایک آئینہ رکھ دیا گیا ہے اور گویا یہ کہہ دیا گیا کہ اس آئینہ میں ہمیشہ اپنا حال دیکھتے رہو اور خوب سمجھ لو اور ذہن نشین کرلو کہ تم سے پہلے ایک قوم تھی جو تمہاری طرح اپنے وقت کی مسلمان قوم تھی، پیغمبروں کو ماننے والی قوم تھی، لیکن کچھ دن تک تو واقعی وہ صحیح راستے پر چلے اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ان پر چھائی رہیں لیکن رفتہ رفتہ ان کا حال یہ ہوگیا کہ اکثریت عملی طور پر اللہ کے اکثر حکموں سے روگرداں ہوگئی اور اس کے نتیجہ میں اللہ کے قانون کے مطابق ان کا حال یہ ہوا کہ ساری رحمتیں اور برکتیں چھین لی گئیں اور ان کی جگہ ذلتوں اور رسوائیوں نے لے لی، لہٰذا تم خوب سمجھ لو کہ جس دن تمہارا عمومی حال بنی اسرائیل کی طرح ہوجائے گا تو تمہارا انجام بھی وہی ہوگا جو ان کا ہوا۔ بنی اسرائیل کا انجام کیا ہوا؟ اس کا ذکر قرآن میں دوسرے مقامات پر اس سے زیادہ تفصیل سے کیا گیا ہے، ایک جگہ ارشاد ہوا ہے: ''فَاِذَا جَاءَ وَعْدُ اُوْلٰهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَا اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا'' اس آیت میں بتلایا گیا کہ جب بنی اسرائیل نے اللہ کے حکموں کے خلاف وہ راستہ اختیار کیا جس سے زمین میں بگاڑ

اور فساد پھیلتا ہے تو ہم نے ان پر اپنے کچھ طاقت ور بندے مسلط کر دیئے، یہ طاقت ور بندے کون تھے؟ یہ کوئی نیک اور مومنین صالحین نہیں تھے، یہ بدترین کافر اور سرکش لوگ تھے۔ لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی کو سزا دینی ہوتی ہے اور اسے رسوا کرنا ہوتا ہے تو بھنگیوں سے اسے جوتے لگوائے جاتے ہیں۔ قرآن ہم سے کہتا ہے کہ جب بنی اسرائیل نے جو پیغمبروں کی اولاد تھے اللہ کے احکام کو نظر انداز کرنے کا رویہ اپنا لیا اور اپنے جی کی چاہت پر زندگی گذارنے لگے تو اللہ ہی نے ان پر بے رحم اور سنگ دل اور ظالم و جابر کافروں کو مسلط کر دیا۔ ان کافروں نے بنی اسرائیل کے ساتھ کیا کیا؟ قرآن ہی کا بیان ہے کہ انھوں نے ان کی بستیوں کی بستیاں الٹ دیں، علاقوں کے علاقے ویران کر دئے، آبادیوں کی آبادیاں ہلاک کر ڈالیں، گھروں میں گھس گھس کر لوٹ مار مچائی اور آگ و خون کی ہولی کھیلی اور یہی نہیں، تاریخ بنی اسرائیل میں یہ بھی ہے کہ انھوں نے اللہ کی کتاب تورات کے نسخے گھروں سے نکال نکال کر ان کے سامنے جلائے اور جانی و مالی اذیتوں کے ساتھ یہ روحانی تکلیف بھی بنی اسرائیل کو اٹھانی پڑی۔

میرے دوستو بزرگو! جیسا کہ میں نے عرض کیا ہم اور آپ اس آئینہ میں اپنی تصویر دیکھیں، ہم اور آپ اپنا احتساب کریں، آخری کتاب قرآن مجید اور آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ ہم کو جو ہدایات دی گئیں وہ سب وہی احکام اور ہدایات ہیں جو ہر نبی کے ذریعہ پچھلی امتوں کو ملتی رہیں، جن میں سب سے پہلے توحید ہے۔ توحید کیا ہے؟ توحید صرف زبان سے کلمہ کے بول کا نام نہیں ہے، توحید ایک حقیقت ہے، دل کی ایک کیفیت اور دل کے ایک یقین کا نام، یقین اس بات پر کہ اللہ وحدہ لاشریک ہی مالک و معبود ہے، اسی کی عبادت، اسی کی پرستش، اسی سے امید، اسی سے خوف کرنا، یقین اس پر کہ دنیا میں صرف اسی کا حکم چلتا ہے، جو کچھ ہوتا ہے اسی کے حکم سے ہوتا ہے، موت اسی کے ہاتھ میں ہے، حیات اسی کے ہاتھ میں، بیماری اسی کے ہاتھ میں ہے، شفا اسی کے ہاتھ میں ہے، عزت و ذلت بھی اسی کے ہاتھ میں ہے، اس لئے عبادت بھی اسی کی، دعا بھی اسی کی، اطاعت بھی اسی کی اور محبت بھی اسی سے، —— یہ ہے توحید، اور اس میں ذرا بھی جھول اللہ کو برداشت نہیں ہے، اس سے ہٹ کر کسی اور پر نگاہ جانا اللہ کو ایک لمحہ کے لئے بھی گوارہ نہیں ہے چہ جائیکہ یہ سمجھنا کہ دنیا میں رہنے والے بزرگان دین یا قبروں والے اولیاء اور مشائخ اولاد دے سکتے ہیں، مقدمہ جتا سکتے ہیں، کاروبار میں برکت دے سکتے ہیں —— تو خدائے پاک کی قسم یہ اللہ کے ساتھ سیدھا سیدھا شرک ہے۔

توحید کے بعد جو حکم سب سے زیادہ تاکید سے دیا گیا ہے وہ نماز اور زکوٰۃ کا حکم ہے، جو لوگ جانتے ہیں کہ قرآن مجید میں ان دونوں کا حکم کس لب ولہجہ میں دیا گیا ہے اور ان دونوں کا کیا درجہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سمجھایا اور صحابہ نے سمجھا تھا، وہ لوگ جانتے ہیں کہ ان دونوں کے بغیر آدمی صاحب ایمان ہی نہیں ہوتا اور جتنی عظمت اور جتنے اخلاص سے اور جتنے اہتمام سے مسلمان ان دو حکموں پر عمل کرتا ہے اسی قدر اس کے دل میں ایمان کی روشنی اور اس کے اعمال میں اسلام کا اثر آتا ہے۔

نماز کے بارے میں یہ بات بھی سمجھ لیجئے کہ اس کا صرف پڑھ لینا اور فرض ادا کر لینا کافی نہیں ہے بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ اس کی کوشش ہو کہ نماز اچھی سے اچھی پڑھی جائے اور ظاہر وباطن دونوں اعتبار سے ہماری نماز کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز سے کچھ تو مناسبت اور مشابہت حاصل ہو جائے۔ اپنے اپنے علاقے کے علماء کرام سے پوچھئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کیسی تھی؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رکوع کیسے فرماتے تھے؟ سجدہ کیسے فرماتے تھے؟ آپ کس طرح قراءت فرماتے تھے؟ آپ کے دل کی کیا کیفیت ہوتی تھی؟ سورۂ فاتحہ پڑھتے وقت یا رکوع وسجدہ میں اللہ کی حمد وتسبیح کرتے وقت کیا دھیان ہونا چاہئے؟ میرے دوستو! اس کی کوشش کرنا ہمارا فرض ہے، کوشش کرتے کرتے مرجائیں تو نماز میں جتنی کوتاہی رہ جائے گی اللہ تعالی معاف فرمادیں گے اور کوشش ہی نہ کی، ایسے ہی بے توجہی سے نماز پڑھتے رہے تو بڑا خسارہ اٹھانا پڑے گا۔

زکوٰۃ کے بارے میں اتنا اور عرض کر دوں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قسم کھا کر فرمایا کہ زکوٰۃ سے کسی کے مال میں کمی نہیں ہوگی۔ ایک طرف اللہ کے رسول کا یہ ارشاد ہے اور ایک طرف شیطان کا یہ وسوسہ ہے کہ زکوۃ دوگے تو اتنی دولت کم ہو جائے گی۔ اب ہم خود سوچ لیں کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات پر زیادہ یقین ہے یا اپنے سب سے بڑے دشمن شیطان کے پرفریب وسوسہ پر، اس لئے میرے دوستو میری گذارش ہے کہ اپنے قریب کے علمائے کرام سے اپنی مالی حالت بتا کر دریافت کیجئے کہ آپ پر زکوۃ واجب تو نہیں ہے؟

توحید اور نماز وزکوۃ کے علاوہ بہت سے اعمال ہیں جن کا اللہ نے ہم کو حکم دیا ہے جیسے روزہ، حج وغیرہ، اور بہت سی صفات ہیں جن کو اپنی زندگی میں اتارنے کا اللہ نے ہم کو مکلف کیا ہے جیسے سچائی، ایثار، ہمدردی، اور خیر خواہی وغیرہ، اسی طرح بہت سے اعمال سے اور بہت سی صفات سے بچنے اور دور رہنے کی تاکید فرمائی گئی ہے، ان سب اعمال اور ان صفات سے اپنے کو بچانے کی فکر اور کوشش بھی ضروری ہے بلکہ بعض پہلوؤں سے یہ مقدم ہے، ان اعمال سے اور ان صفات سے انسان کے دل پر ایسا زنگ اور میل آجاتا ہے کہ جو اچھے اعمال آدمی کرتا ہے ان کا اثر اس کے دل پر اور روح پر نہیں پڑتا، جب کسی پرانے برتن پر قلعی

کی جاتی ہے تو پہلے اس کے میل کو صاف کیا جاتا ہے، ورنہ قلعی چڑھتی نہیں، اسی لئے میں نے عرض کیا کہ جن اعمال سے دلوں میں زنگ آتا ہے ان سے بچنے کی کوشش بعض پہلوؤں سے مقدم ہے۔

میرے سامنے یہ سیکڑوں ہزاروں نوجوان بیٹھے ہیں، میں ان سے کہتا ہوں اے نوجوانو! اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلمہ پڑھنے والو! اس زمانے کا ام الخبائث سنیما ہے، ہر گناہ کی تعلیم اسی سے ہوتی ہے، ہر شر اسی سے پھیلتا ہے، اللہ سے یہ عہد کرو کہ اس گناہ سے خاص طور سے بچیں گے، میں پھر کہتا ہوں کہ میرے عزیز نوجوانو! اب رحم کرو اپنے اوپر، آج کا دن مبارک دن ہے، آج ہی بلکہ ابھی اور اسی وقت عہد کرو کہ اس بدترین اور خبیث گناہ کے قریب نہیں جائیں گے، جس سے پیسہ بھی برباد ہوتا ہے، صحت بھی خراب ہوتی، روحانیت بھی برباد ہوتی ہے، دین بھی برباد ہوتا ہے، تم یقین کرو میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جب تم سنیما کی طرف قدم اٹھاتے ہو اللہ تم سے ناراض ہوتا ہے، فرشتے تم پر لعنت کرتے ہیں، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح پاک کو جب اس کی خبر ہوتی ہے تو سخت تکلیف ہوتی ہے، میرا یہ امتی میرا یہ نام لیوا کہاں جا رہا ہے۔ اور سنو میرے عزیز نوجوانو! اب تک جو گناہ ہوئے ان کو سوچ کر نادم تو خوب ہو، معافی تو خوب مانگو، لیکن مایوس نہ ہونا، اللہ ارحم الراحمین ہے، بہت معاف فرمانے والا ہے، اس کی رحمت اس کے غضب سے بڑھ کر ہے، برسہا برس کے گنہگاروں ہی کو نہیں عمر بھر کے مشرکوں کافروں کو بھی سچی توبہ سے اللہ تعالی پوری طرح معاف فرما دیتا ہے بلکہ یہ بھی ہوتا ہے کہ بندہ بار بار توبہ کرتا ہے اور بار بار اس سے غلطی ہوتی ہے اور پھر بار بار وہ اللہ سے معافی مانگتا ہے تو اللہ یہ نہیں کہتا کہ اب بہت ہو چکا اب معافی نہیں ملے گی، بلکہ اللہ بار بار بندے کو معاف فرماتا ہے، یہی نہیں کہ معاف فرما دیتا ہے بلکہ اللہ کو اس بندے پر پیار آتا ہے۔ علامہ ابن قیمؒ نے اس کی ایک بڑی نفیس مثال دی ہے، انھوں نے اللہ کی صفتِ رحمت اور بندوں کے ساتھ اس کے کریمانہ ورحیمانہ تعلق کی تفصیل سے وضاحت کرنے کے بعد ایک بندۂ خدا کا واقعہ لکھا ہے جو بڑے غلط راستے پر پڑ گیا تھا، وہ ایک گلی سے گذر رہا تھا اس نے دیکھا کہ ایک گھر کا دروازہ کھلا اور ایک بچہ اس میں سے نکلا اس کی ماں اسے گھر سے دھکے دے دے کر نکال رہی تھی، جب وہ باہر ہو گیا تو ماں نے اندر سے دروازہ بند کر لیا، بچہ اسی طرح روتا چلاتا بلکتا بڑبڑاتا کچھ دور تک چلتا گیا، پھر ایک جگہ پہنچ کر رک گیا اور کھڑے ہو کر سوچنے لگا کہ میں کہاں جا سکتا ہوں، مجھے کون اپنے پاس رکھے گا، کون ماں کی طرح دیکھ بھال کرے گا، یہ سوچ کر وہ ٹوٹے دل سے اپنے گھر ہی کی طرف لوٹ پڑا، دروازہ بند تھا، وہیں چوکھٹ پر سر رکھ کے پڑ گیا اور پڑے پڑے آنکھ لگ گئی، نیند آ گئی، ماں آئی، دروازہ کھولا اور اپنے جگر کے ٹکڑے کو اس طرح پڑے دیکھ کر اس کا دل بھر آیا، ممتا کو جوش آ گیا، آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے، بچہ کو اٹھا کر سینے سے لگایا، بے تحاشا پیار کرنے لگی اور کہنے لگی

بیٹے! تونے دیکھا، میرے سوا تیرا کون ہے؟ تونے نالائقی اور نافرمانی کا راستہ اختیار کر کے میرا دل دکھایا اور تیرے لئے میری فطرت کے خلاف غصہ دلایا، سن لے! میں تیری ہوں اور تو میرا ہے، میرے پاس جو کچھ ہے تیرے ہی لئے ہے۔۔۔

میرے دوستو! علامہ ابن قیمؒ نے جس بندۂ خدا کا چشم دید واقعہ ذکر کیا ہے صرف اس کے لئے نہیں ہم آپ سب کے لئے اور دنیا بھر کے گنہگاروں اور خطا کاروں کے لئے اس واقعہ میں بڑا سبق ہے۔ایک ماں کے سینے میں اپنی اولاد کے لئے جتنا پیار ہوتا ہے، جتنی شفقت ہوتی ہے، خدائے پاک کی قسم اللہ کی ذات میں اپنے بندوں کے لئے اس سے بھی زیادہ پیار اور رحم ہے۔اس لئے کہتا ہوں کہ اب تک کی کوتاہیوں کی وجہ سے اب تک کے گناہوں اور اب تک کی غافلانہ زندگی کی وجہ سے نادم تو بہت ہو، مایوس نہ ہو، واپس آؤ اللہ کی طرف، اس کی چوکھٹ پر سر رکھ کے روؤ، بلبلاؤ، پھر دیکھو اس کی رحمت کے دروازے کیسے کھلتے ہیں، پھر دیکھو وہ کیسے اپنی آغوش رحمت میں لیتا ہے، کس طرح دل بڑھاتا ہے، حوصلہ دیتا ہے، دست گیری کرتا ہے اور صحیح راہ دکھاتا ہے ، بلکہ انگلی پکڑ کر کے چلا دیتا ہے، غفلت اور بے حسی سے کیسے زندگی بھر کے لئے نجات دیتا ہے۔

میرے بھائیو اور دوستو! بنی اسرائیل کی جو داستان ہمیں آپ کو اللہ تعالی نے اپنی کتاب قرآن مجید میں سنائی ہے، اس سے ہمیں سبق لینا چاہئے، جب تک بنی اسرائیل کی زندگی اللہ کے حکموں کے مطابق رہی دنیا میں امن وعافیت اور برتری وعزت کے ساتھ اللہ نے ان کو رکھا، دوسروں کے لئے نمونہ بنا کر رکھا اور جب ان کی اکثریت نے اللہ کے اکثر حکموں کو پامال کرنا شروع کر دیا، اللہ نے ان پر بے رحم دشمن مسلط کر دئے جنھوں نے ان کو بری طرح سے ذلیل کیا۔

اب اس آئینہ میں ہم اپنی صورت دیکھیں! کیا یہی حال بعینہ ہمارا نہیں ہے؟ جو کچھ پوری دنیا میں امت محمدیہ کے ساتھ ہو رہا ہے، فسادات ہو رہے ہیں، جان ومال لوٹا جا رہا ہے، گھروں میں، بازاروں میں اور مسجدوں میں آگ لگائی جا رہی ہے، یہ سب اللہ کی طرف سے سزا ہے، اس بات کی کہ ہماری اکثریت اور مجموعی طور پر پوری امت اللہ کے اکثر حکموں کو پامال کر رہی ہے، نہ اللہ کا ان بنی اسرائیل کے ساتھ رشتہ تھا، جو انبیاءؑ کی اولاد تھے، نہ ہم سے رشتہ ہے جو خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت ہیں، اللہ کے یہاں جو معاملہ ہوتا ہے وہ تو مخلوق کے اعمال وکردار کی بنا پر ہوتا ہے، کیا یہ سچ نہیں ہے کہ ہم میں ہمارے اکثر بھائی اللہ کے اکثر حکموں کو بالکل نظر انداز کئے ہوئے ہیں، اگر یہ سچ ہے اور یقیناً سچ ہے تو ذرا سوچئے کہ اپنے حالات کو درست کرنے کے لئے ہمیں کیا کرنا ہوگا۔

دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے سوچو کہ کیا اللہ کے حکم کے بغیر ہو سکتا ہے؟ اللہ کے سوا کسی اور کا ارادہ کسی اور کا فیصلہ، کسی اور کی طاقت بھی دنیا میں کارفرما ہے؟ اور پھر اس پر غور کرو کہ اگر اللہ کسی بات کا فیصلہ کرے تو اس کو کسی مخلوق کے ذریعہ بدلوایا جا سکتا ہے؟ نہیں اور ہرگز نہیں ''لا رادّ لقضائه ولا معقب لحكمه'' نہ کوئی اس کے فیصلہ کو بدلنے والا ہے نہ کوئی اسے چیلنج کرنے والا۔

اللہ ہم کو اس حقیقت پر ایمان نصیب فرمائے کہ دنیا میں افراد کے ساتھ یا قوموں کے ساتھ جو ہوتا ہے اللہ کی طرف سے ہوتا ہے —— اور اللہ کا معاملہ نہ افراد کے ساتھ بلا ضابطہ ہوتا ہے نہ قوموں کے ساتھ، جو قوم اللہ کے حکموں کو پورا کرے گی اور اللہ کے پسند کئے ہوئے طریقۂ زندگی کے مطابق اپنی زندگی گذارے گی وہ دنیا میں بھی اللہ کے اچھے معاملہ کی مستحق ہوگی، اور آخرت میں بھی سرخرو اور کامیاب ہوگی۔

اس لئے میرے دوستو! آج کے اس مبارک دن میں یہ ارادہ کرو، اور عہد کرو کہ انشاء اللہ خدا کے ہر حکم کو اپنی زندگی میں اتاریں گے اور اللہ کے حکموں کو پوری امت میں زندہ کرنے کے لئے خوب محنت کریں گے۔

میں باریکیوں میں نہیں جاتا، وہی حکم جو بنی اسرائیل کو دئے گئے تھے وہ ایسے اصولی احکام ہیں جو اللہ کے پسندیدہ طریقۂ زندگی کے بنیادی اجزاء ہیں، توحید کا حکم، نماز اور زکوٰۃ کا حکم، والدین، اقرباء یتیموں اور اہل حاجت کے ساتھ نیک سلوک کا حکم اور تمام انسانوں سے حسنِ معاملہ کا حکم۔

یہی وہ بنیادی احکام ہیں جن پر عمل کرنے سے پورے دین پر عمل کرنے کا مزاج بن جاتا ہے۔ اس لئے ان احکام پر پورا پورا عمل کرنے کی نیت کرو، اور پوری امت میں پورے دین کو زندہ کرنے کے لئے عمومی جدوجہد میں خوب محنت کرو، اور قربانیاں دو، الحمد للہ ہم آپ اس زمانے میں ہیں جب کہ یہ عمومی جدوجہد پوری دنیا میں کی جارہی ہے۔ اگر یہ صحیح نہج پر کی جائے اور اس کے اصولوں پر عمل کیا جائے اور دعاؤں کا پورا اہتمام کیا جائے تو انشاء اللہ اسی جدوجہد سے امت محمدیہ کے اندر اللہ کے حکموں سے فرار کا رجحان ختم ہو جائے گا اور ذہن و مزاج کا رخ درست ہو جائے گا۔ پھر اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے حالات درست کرنے کے فیصلے ہوں گے، اور پھر جو کوشش کی جائے گی اس کے نتائج مثبت اور حوصلہ افزا نکلیں گے۔

میرے بھائیو! مجھے جو کہنا تھا اللہ نے کہلوا دیا، اللہ تعالیٰ مجھے آپ کو اور تمام مسلمانوں کو عمل کی توفیق عطا فرمائے تاکہ میں قیامت کے دن اس جرم میں نہ پکڑا جاؤں کہ تو لوگوں سے کہتا تھا اور خود عمل نہیں کرتا تھا، اور آپ ان لوگوں میں سے نہ ہوں جو اس پر پکڑے جائیں کہ تمہیں دین کی بات پہنچ گئی پھر بھی تم نے اپنی زندگی کو نہ بدلا۔

اب آیئے دل سے اللہ کی طرف متوجہ ہو کر دعا کریں۔ بالکل یہ سمجھیں کہ اللہ حاضر ناظر ہے، اللہ کے بے شمار فرشتے موجود ہیں، مسجد کی فضا ان سے بھری ہوئی ہے، اگر ہماری آپ کی آنکھیں ہوتیں تو ہم ان کو دیکھتے —— اب ہم اللہ کو اور یہاں موجود اس کے فرشتوں کو گواہ بنا کر عہد کریں اور اللہ سے کچھ مانگیں:

سبحانک اللّٰھم و بحمدک نشھد أن لا الٰہ الا أنت، نستغفرک و نتوب الیک، ربنا ظلمنا أنفسنا و ان لم تغفرلنا و ترحمنا لنکونن من الخاسرین ۔رب اغفر و ارحم وانت خیر الراحمین ۔ رب اغفر و ارحم و تجاوز عما تعلم، انک أنت الأعز الاکرم ،یاحی یاقیوم برحمتک نستغیث، اللھم ان مغفرتک أوسع من ذنوبنا و رحمتک أرجی عندنا من أعمالنا، اللھم اصنع بنا ما أنت أھله و لا تصنع بنا ما نحن أھله ،أنت أھل المغفرة وأھل الجود و أھل الکرم وأھل الاحسان ۔اللھم اغفر للمسلمین والمسلمات والمؤمنین والمؤمنات الأحیاء منھم و الاموات، ربنا اغفر لنا و لاخواننا الذین سبقونا بالایمان و لاتجعل فی قلوبنا غلا للذین آمنوا ربنا اِنک رؤف رحیم۔

اے اللہ! ہم آپ کے بندے آپ کے حضور میں حاضر ہیں، دل سے اور زبان سے گواہی دیتے ہیں کہ آپ کے سوا کوئی معبود نہیں، آپ ہی کے ہاتھ میں سب کچھ ہے، ہم گواہی دیتے ہیں کہ سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے نبی برحق ہیں، ہم نے ان کا دین قبول کیا، ہم آپ پر ایمان لائے اور آپ کے رسول پر بھی ایمان لائے، اے اللہ! ہم کو حقیقت ایمان نصیب فرما، ہمارے قلوب کو نورِ ایمان نصیب فرما، ہم میں سے کسی کو محروم نہ فرما، اے اللہ! جو بندے یہاں جمع ہیں ان سب کو حقیقت ایمان نصیب فرما، ان جوانوں کو بوڑھوں کو، ان عزیزوں کو ان بھائیوں کو، ان میں سے ایک ایک کو کمالِ ایمان کی دولت سے مالا مال فرما، اے اللہ ہم اعتراف کرتے ہیں کہ اب تک کی زندگی اکثر آپ کے حکموں کے خلاف گذری ہے، سر سے پیر تک ہمارا پورا جسم اور ظاہر سے لے کر باطن تک ہمارا پورا وجود آپ کے حکموں کے خلاف استعمال ہوا ہے، ہم معافی کے طالب ہیں، ہم کو معاف فرما دے، ہم توبہ کرتے ہیں ہماری توبہ قبول فرما لے، اس مبارک دن میں، اس مبارک ماحول میں ہم ارادہ کرتے ہیں کہ گناہوں سے بچیں گے اور آپ کے حکموں کے خلاف زندگی نہیں گذاریں گے، اے اللہ! ہمارے ارادوں کو قبول فرما اور ان میں عزم و اخلاص کی روح پیدا فرما، شیطان اور نفس ہمیں گناہوں میں مبتلا کرنے والے ہیں، ان دونوں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما، تیری مدد کے بغیر ہم ان کے مقابلہ میں کامیاب نہیں ہو سکتے، اے اللہ! دین کو عام فرما، تیرے جو بندے دین کی محنت کر رہے ہیں اور جس شکل میں بھی دین کی فکر میں لگے ہیں ان کی فکروں اور محنتوں کو قبول فرما، اے

اللہ! ان کی مدد فرما، صحیح طریقہ پر کام کرنے کی انھیں توفیق نصیب فرما، ہر قسم کے فتنوں سے ان کی حفاظت فرما، نفس اور شیطان کے شرور سے ان کو محفوظ رکھ، اے اللہ! ہمارے ساتھ رحم کا معاملہ فرما، ہمارے لئے رحمت کا فیصلہ فرما دے، تیرے فیصلے میں دخل دینے والا کوئی نہیں، دوزخ کے عذاب سے ہمیں بچالے، اور محض اپنے کرم سے ہمیں جنت نصیب فرما دے، اے اللہ! ہمیں غفلت سے نجات دے، ایسا بنا دے کہ تیری طرف سے غفلت نہ ہو، آخرت اور جنت و دوزخ کو نہ بھولیں، حشر کو نہ بھولیں، آخرت کی ہر منزل میں ہمارے ساتھ رحمت کا معاملہ فرما، کرم کا معاملہ فرما، اے اللہ! ہمارے ساتھ وہ معاملہ نہ فرما جس کے ہم اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے مستحق ہیں، ہمارے ساتھ وہ معاملہ فرما جو آپ کی شان کریمی کے لائق ہے۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم و تب علینا انک انت التواب الرحیم وصل اللھم وسلم علی سیدنا محمد و علی آلہ و اصحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الرحمین۔

☆☆☆

حضرت مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم
ترتیب و پیشکش: محمد اختر معروفی

زندگی کی پریشانیوں کا حل پاکدامنی کی زندگی میں ہے

خطبۂ مسنونہ کے بعد:

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا إِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّسَاءَ سَبِيلًا

اسلام میں حیاء کی اہمیت

ازدواجی زندگی کی پریشانیوں کی سب سے بڑی وجہ آج کے دور میں میاں بیوی کے درمیان غلط فہمیاں ہیں کہ طبیعتیں ایک دوسرے کے بجائے کسی اور طرف متوجہ ہوتی ہیں، دینِ اسلام دینِ فطرت ہے، وہ حیاء اور پاکدامنی کی زندگی سکھاتا ہے، چنانچہ جو عورت پاکدامنی کی زندگی گذارنے والی ہو اس کی ہر چھوٹی بڑی غلطی معاف ہوسکتی ہے، شوہر ہر غلطی کو معاف کرتا ہے مگر کردار کی غلطی کو معاف نہیں کرتا، اسی طرح بیوی کا معاملہ ہے کہ وہ خاوند کی ہر غلطی برداشت کرتی ہے مگر وہ کسی غیر عورت کے ساتھ اس کے تعلق کو برداشت نہیں کرتی، اس لئے شریعت نے فرمایا: ''وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا'' زنا کے قریب بھی مت جاؤ، ''إِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّسَاءَ سَبِيلًا'' یہ بہت فحش کام ہے اور برا راستہ ہے، دین اسلام نے باحیاء زندگی گذارنے کی تعلیم دی، چنانچہ فرمایا: ''الحیاء شعبة من الایمان'' حیاء ایمان کا شعبہ ہے، اور فرمایا: ''انه لا یستحیی من الناس ما یستحیی من اللہ'' جو انسانوں سے حیاء نہیں کرتا وہ خدا سے بھی حیاء نہیں کرتا۔ نبی علیہ السلام تشریف فرما ہیں، پنڈلی مبارک سے کپڑا اٹھا ہے، صدیق اکبرؓ آتے ہیں آپ اسی طرح بیٹھے رہتے ہیں، عمر فاروقؓ آتے ہیں آپ اسی طرح تشریف فرما رہتے ہیں، جب عثمان غنیؓ آئے تو نبی علیہ السلام نے پنڈلی

ڈھانک لی، پوچھنے پر فرمایا کہ جس شخص سے اللہ کے فرشتے بھی حیاء رکھتے ہوں میں ان سے حیاء کیوں نہ رکھوں۔ تو ایسی باحیاء زندگی صحابہؓ کو حاصل تھی، یہ باحیاء لوگ ہوتے ہیں جو اللہ کے یہاں قبولیت پاتے ہیں۔

کتابوں میں لکھا ہے کہ محمد بن اسماعیل امام بخاریؒ اپنے لڑکپن میں ایک مرتبہ عساکر کی مسجد میں داخل ہوئے تو ان کے چہرے پہ اتنی حیاء تھی کہ محمد بن سلام نے دیکھ کر کہا کہ تم نے ایسا باحیاء لڑکا کبھی نہیں دیکھا ہوگا۔ تو لڑکپن میں جو اتنا باحیاء تھا جوانی میں اتنا باکمال بنا کہ اللہ نے ان کو امتیازی شان عطا فرمائی۔
ابوموسیٰؓ غسل خانے میں نہانے کے لئے جاتے تھے تو اندھیرا کر کے نہاتے تھے کہ اپنے اعضاء پر بھی ان کی نظر نہ پڑے۔ محمد بن یحییٰ امام زہری کی خدمت میں ان کی باندی ۳۰ سال رہی، وہ باندی کہتی ہے کہ میں نے ۳۰ سال میں ان کی پنڈلی کو بھی کبھی نہیں دیکھا، تو ایسی باحیاء زندگی ہمارے اکابر نے گذاری۔

زنا کے چند بنیادی اسباب

زنا کی بنیادی وجوہات میں پہلی وجہ بے پردگی ہوتی ہے کہ عورت بے پردہ ہوتی ہے، غیر مرد کے سامنے ہوتی ہے، یہ زنا کی پہلی سیڑھی ہے، پھر شیطان اس کو مزین کر کے پیش کرتا ہے اور غیر مرد کے دل میں اس کی کشش ڈالتا ہے اور گناہ کا راستہ اس کے لئے ہموار کرتا ہے، اس لئے شریعت نے پردہ کا حکم دیا کہ عورتوں کو اگر گھر سے باہر نکلنا ہو تو پردہ اختیار کریں، اور مرد اپنی نگاہوں کو نیچا رکھیں تاکہ دونوں کے دل صاف رہیں۔

ایک اور وجہ سیل فون (موبائل) کا غلط استعمال ہے، یہ سیل فون آج کل تو ہیل فون بنا ہوا ہے کہ اسی کی وجہ سے نوجوان بچے اور بچیاں ایک دوسرے کے ساتھ کمیونیکیٹ (باتیں) کرتے ہیں جس کا نتیجہ برا نکلتا ہے۔

ایک اور وجہ انٹرنیٹ کا غلط استعمال ہے، انٹرنیٹ پر جہاں بہت ساری معلومات انسان کو ملتی ہیں وہاں بہت ساری جنسی معلومات بھی ملتی ہیں، شیطان نے راستہ کھول دیا، جو بندہ ایسی ویب سائٹ پہ جانا شروع کر دیتا ہے وہ گناہوں کا مرتکب ہوتا ہے۔

پھر رسالے اور ڈائجسٹ اور CDs ایسی ملتی ہیں جس میں بہت ہی غلیظ قسم کے مناظر ہوتے ہیں۔ پھر گانے اور میوزک جلتی پہ تیل کا کام کرتے ہیں، تو ان تمام چیزوں کی وجہ سے نوجوان بچیاں بھٹکتی ہیں اور خلاف شرع کام کرتی ہیں۔

پردہ کرنے کے دنیاوی فائدے

جو بچیاں پردے کا لحاظ رکھیں وہ اپنی عزت وعصمت کی حفاظت آسانی سے کرلیتی ہیں۔ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ ایک مسلمان عورت فرانس ایئرپورٹ پر پہنچی تو امیگریشن والوں نے اسے روک لیا کہ ہم آپ کا چہرہ دیکھے بغیر آپ کو نہیں جانے دیں گے، اس نے کہا میرا چہرہ دیکھنے کے لئے آپ کسی لیڈی آفیسر کو بلالیں وہ دیکھ لے کہ پاسپورٹ پہ کیا تصویر ہے اور میری شکل کیا ہے،کافی لے دے کے بعد انھوں نے ایک لیڈی آفیسر کو بلایا تو وہ اس کو کمرے میں لے کر گئی ،تو وہ جو انگریز لیڈی آفیسر تھی اس نے مزاق شروع کر دیا کہ تم مسلمان عورتیں کیا لپٹی رہتی ہو، چہرہ چھپائے رہتی ہو،کیا تم بدصورت ہوتی ہو اس لئے چہرہ چھپاتی ہو؟ آخر کون سا عیب ہے جسے چھپانے کی ضرورت ہے؟ اس طرح کی باتیں اس نے سنانی شروع کی ،مسلمان عورت پہلے تو اس کی باتیں سنتی رہی، پھر اس کو اللہ رب العزت نے حکمت کی بات سمجھائی تو اس نے اپنے پرس میں سے ایک sweet (مٹھائی) نکالی جو ریپر کے اندر ریپ تھی ،اس نے ریپر اتارا اور وہ sweet نیچے فرش کے اوپر پھینک دی، پھر اس کو ایک آدھ دفعہ پاؤں بھی لگا دیا اور پھر اٹھا کے آفیسر کو کہا کہ آپ یہ کھالیں،آفیسر نے کہا کہ میں تو اس کو ہاتھ نہیں لگاؤں گی، یہ تو polluted (گندی) ہوگئی ہے، اس نے کہا بہت اچھا، پھر اس نے بیگ سے ایک دوسری sweet نکالی جو ریپر میں ریپ تھی اور وہ اس کو کھانے کے لئے دیا،تو آفیسر نے اس کو لے کر منہ میں ڈال لیا،تو وہ مسلمان عورت کہنے لگی کہ میری بات کا جواب خود بخود ہوگیا کہ دیکھو ایک چیز پردہ کے بغیر تھی ،فرش پر گری polluted (گندی) ہوئی تو آپ نے ہاتھ لگانا پسند نہ کیا، وہی چیز جب ریپر میں تھی تو آپ نے اس کو منہ میں ڈال لیا،عورت کو بھی اللہ نے مرد کے لئے ایک سویٹ کی طرح بنایا ہے،تو اگر وہ اپنے اوپر سے پردہ ہٹادے، ریپر ہٹادے اور وہ ننگی بازاروں میں پھرے تو دوسروں کے ہاتھ لگتے ہیں،ان کی نظریں پڑتی ہیں، وہ polluted (گندی) ہوجاتی ہیں،تو اس کے قریب ہونے کو خاوند کا دل ہی نہیں چاہتا،اور اگر وہ لپٹی ہوئی ہوتی ہے تو جیسے ہی خاوند کے سامنے پردہ اٹھاتی ہے خاوند کو ایک مقناطیسیت محسوس ہوتی ہے۔یہ بات convincing (دل کو لگنے والی) تھی کہ وہ گوری آفیسر کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوگئی۔

تو اللہ رب العزت نے پردے کے اندر ایک برکت رکھی ہے، جو عورت پردہ دار ہو وہ جنتی عورت ہوتی ہے۔اسی لئے سیدہ فاطمۃ الزہراءؓ کے بارے میں آتا ہے کہ انھوں نے اسماء بنت عمیس سے یہ کہا کہ اسماء !مرنے کے بعد جس طریقے سے عورت کو نہلاتے ہیں مجھے وہ طریقہ اچھا نہیں لگتا کہ جسم سے کپڑے

ہٹا دیتے ہیں، اس نے کہا کہ میں نے افریقہ کے لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ میت کو غسل دیتے ہوئے اوپر کپڑا اڈالتے ہیں اور پھر اس کو غسل دیتے ہیں، تو سیدہ فاطمۃ الزہراءؓ نے فرمایا کہ یہ طریقہ بہت اچھا ہے، میں تمہیں وصیت کرتی ہوں کہ جب میں فوت ہو جاؤں تو مجھے تم نہلانا اور تمہیں پانی بھرنے کی مدد علیؓ دیں گے کیونکہ وہ میرے شوہر ہیں، تم دو کے علاوہ کوئی تیسرا بندہ اس وقت نہ ہو، چنانچہ جب سیدہ فاطمۃ الزہراءؓ کی وفات ہوئی تو اسی طرح علیؓ پانی بھر کے لائے اور اسماء بنت عمیسؓ نے ان کو غسل دیا۔ اس موقع پہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ آئیں تو اسماء نے ان کو وصیت کے بارے میں بتا دیا، وہ بھی کہنے لگیں کہ ہاں ہم ان کی وصیت کا اکرام کریں گے، ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ بھی وہاں نہیں آئیں، تو دیکھئے! یہ خاتونِ جنت کی میت تھی جس کو کفن دیا گیا، پھر ان کی وصیت تھی کہ میرا جنازہ رات کے وقت نکلے تاکہ کسی کو میرا جنازہ دیکھ کے پتہ نہ چلے کہ جسمانیت کیسی تھی، یہ وہ خاتون ہے جو محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نورِ نظر ہے اور جنّتی عورتوں کی سردار بننے والی ہیں، جب ان کو اللہ نے اتنی حیاء والی زندگی دی تھی تو آج جو لڑکی بے حیائی کی زندگی گذارے گی وہ تو جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکے گی۔ اس لئے چاہئے کہ ہم نیکی اور پردہ کی زندگی گذاریں۔

آپ کے پاس جب بھی کوئی قیمتی چیز ہوتی ہے تو آپ اسے چھپا چھپا کر رکھتی ہیں، diamond (ہیرے) کی انگوٹھی ہو تو پرس کے اندر ایک چھوٹا پرس ہوتا ہے، ایک zip ہوتی ہے، اس کے اندر اس کو رکھتی ہیں، گھر میں بھی رکھنا ہو تو ایک jewellary بوکس ہوتا ہے، یہ اور boxes کے اندر ہوتا ہے وہاں رکھتی ہیں، تو عورت خود بھی تو ایک قیمتی چیز ہے، شریعت کہتی ہے کہ یہ بھی پردہ کے اندر رہے، جس طرح ڈائمنڈ کو چوروں سے خطرہ ہوتا ہے اسی طرح عورت کو لٹیروں سے خطرہ ہوتا ہے جو عزت کے لٹیرے ہوتے ہیں، کوئی گوشت گھر لے کے آئے تو کبھی وہ اس کو اپنے برتن میں ڈال کے سر پر رکھ کے نہیں لاتا، اس کو پتہ ہوتا ہے کہ کوّے آئیں گے اور گوشت کو اچک کے لے جائیں گے۔ آپ گھر میں گوشت نکالتی ہیں تو کچن میں رکھ کے چلی نہیں جاتیں، آپ سمجھتی ہیں کہ کوئی بلّا آئے گا اور یہ گوشت لے جائے گا، اگر ایک کلو گوشت کی اتنی حفاظت ہے تو یہ آپ کی پوری باڈی کا جو ساٹھ کلو کا گوشت ہے تو اس کو آپ بے پردہ کیسے چھوڑ کے جا سکتی ہیں؟ اس کو اکیلے گھر سے کیسے بھیج سکتی ہیں؟ اس کے لئے بھی انسانوں کی شکل میں بلّے پھر رہے ہیں، لٹیرے پھر رہے ہیں، تو دیکھئے شریعت کتنی خوبصورت ہے جو باپردہ زندگی کی تعلیم دیتی ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ میاں بیوی جہاں دونوں نیکوکار پرہیزگار ہوں اور اس جنسی گناہ سے بچنے والے ہوں ان کی زندگی اتنی پرسکون ہوتی ہے کہ ان کو دنیا میں جنت کا مزہ آتا ہے۔

زنا کے دنیاوی نقصانات

ہر گناہ کے نقصانات ہوتے ہیں مگر زنا کے گناہ کے نقصانات دوسروں سے بہت زیادہ ہیں، فرمایا: ''اذافاتک الحیاء فافعل ماشئت'' جب حیا تم سے رخصت ہوجائے تو جو چاہے کر۔ زنا کرنے والے انسان کے چہرے سے حیاء ختم ہوجاتی ہے، غیرت ختم ہوجاتی ہے، چہرہ بے نور ہوجاتا ہے، بے رونق ہوجاتا ہے، چنانچہ بے پردہ پھرنے والی عورتوں کے چہروں کو آپ خود دیکھیں تو آپ کا دل کہے گا کہ چہرہ بے رونق ہے، تبھی تو بے چاریاں باہر نکلنے سے پہلے کیا کیا لے کر اپنے چہرے پہ لگاتی ہیں اور پھر باہر نکلتی ہیں، اور اللہ کی شان کہ ڈر کے مارے وضو بھی نہیں کرتیں کہ لوگوں کو حقیقی چہرہ نظر آجائے گا تو وہ کیا کہیں گے کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے جو حور بنی ہوئی تھی چہرہ دھونے کے بعد یہ تو کسی ڈائن کی بہن نظر آتی ہے۔

زنا کے گناہ سے رزق کی تنگی بھی بڑھ جاتی ہے، چاہے وہ multi millionaire کیوں نہ ہو کام اٹکا ہی رہتا ہے۔ پھر زنا سے انسان کی ہیبت کم ہوجاتی ہے، دل سخت ہوجاتا ہے، عبادت کرنے کو دل نہیں چاہتا، دل پریشان ہوتا ہے، آپ اس بات کا خود مشاہدہ کرلیں کہ جتنی لڑکیاں روگ پال لیتی ہیں ان کو راتوں کو نیند نہیں آتی، کبھی ایک بجے میسیج آرہا ہے، کبھی دو بجے میسیج جارہے ہیں، ساری رات جاگ کے گذار لیتی ہیں، جس گناہ نے دنیا میں سکون چھین لیا سوچیں آخرت میں سکون کیسے ملے گا؟ پھر پریشان ہوہو کے خود کہتی ہیں کہ اس جینے سے تو مرجانا اچھا تھا۔ اور پھر اس کی ایک اور دنیا کے اندر نحوست ہوتی ہے کہ اس گناہ کی وجہ سے میاں بیوی کے دلوں میں فاصلے آجاتے ہیں۔

زنا کے دینی نقصانات

زنا کے بارے میں دو تین باتیں بہت اہم ہیں۔ پہلی بات کہ حدیث مبارک سے پتہ چلتا ہے کہ جب کوئی شخص زنا کررہا ہوتا ہے اس وقت وہ مسلمان نہیں رہتا، ایمان اس کے جسم سے نکل کے الگ ہوجاتا ہے، گویا زنا کرنے میں جتنا وقت گذرا اتنا وقت کفر کی حالت میں گذر گیا، ایمان سے خالی گذر گیا۔ اب ذرا عورتیں سوچیں کہ جب ان کے جسم کو کسی غیر محرم نے ہاتھ لگایا تو یہ اتنی دیر کفر کی حالت میں رہیں، کہنے کو تو مسلمان بنی پھرتی ہیں لیکن نامۂ اعمال میں تو لکھا جائے گا کہ اتنا وقت اس نے کفر کی حالت میں گذارا، اللہ اکبر ایسا گناہ کہ ایمان ہی بندہ سے الگ ہوجائے۔

پھر یہ اتنا بڑا گناہ ہے کہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو انسان زنا کرے تو بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائے تب بھی اس پر ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں لعنت برساتی ہیں، ایسے بندے کو قیامت کے دن اللہ

تعالیٰ آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھیں گے، تو غیر کو محبت کی نظروں سے دیکھتا تھا آج میں تیرے چہرے کو محبت کی نظر سے نہیں دیکھوں گا، یہ کتنی بڑی محرومی ہے کہ اللہ تعالی اس شخص کے چہرے کو ہی دیکھنا پسند نہ کریں۔

علامہ مناویؒ کے دادا کہتے تھے کہ جو شخص زنا کا مرتکب ہوتا ہے اس کے چہرے کی ظلمت اہل باطن دیکھتے ہیں، جب قریب وہ آتا ہے تو اس کے جسم سے بد بو آتی ہے، جب وہ نہاتا ہے تو پانی کے اندر زنا کا گناہ دھل رہا ہوتا ہے، وہ پانی دیکھ کر بتا سکتے ہیں۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ کا واقعہ ہے کہ ایک نوجوان کو نہاتے دیکھ کر انھوں نے محسوس کرلیا کہ یہ زنا کا مرتکب ہوا ہے۔ ابن عساکر نے ایک حدیث نقل کی ہے: ”**المقیم علی الزنا کعابدوَثن**“ کہ جو زنا کے اوپر مقیم ہوتا ہے وہ بت پرست کے مانند ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ کہ اگر کسی لڑکی نے کسی لڑکے ساتھ دو سال affair رکھے تو اللہ کے یہاں یہ دو سال بت پرست رہی، اس کا نام مومنوں کی فہرست میں نہیں ہوگا، اس کا نام بت پرستوں کی فہرست میں ہوگا۔ آپ سوچئے کہ ہم بت پرستوں کی باتیں پڑھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ ایمان سے محروم تھے، کہیں ایسا تو نہیں کہ ہمارا نام بھی بت پرستوں میں لکھ دیا گیا ہو؟ اس لئے عورتیں اس پوائنٹ کو خوب اچھی طرح سمجھیں کہ یہ زنا کا گناہ ایمان سے محروم کر دیتا ہے، زنا کا گناہ انسان کو اللہ کے دفتر میں بت پرستوں کی فہرست میں شامل کرتا ہے، یہ جو ہوتا ہے کہ ہر وقت کسی کو محبت سے چاہنا، ہر وقت اس کا دھیان رہنا

تو میرا دین ایمان سجنا

تو اس سے اللہ تعالی اس بندے کا نام ایمان داروں کی فہرست سے نکال دیتے ہیں، تو کتنی عجیب بات ہے کہ جس عورت کا affair پانچ سال کسی کے ساتھ رہا وہ پانچ سال اللہ کے کاغذوں میں بت پرست بن کر رہی، وہ شرک کرتی رہی، وہ مشرکہ تھی، سوچئے یہ کتنا بڑا گناہ ہے۔

آخرت میں زنا کی لرزا دینے والی سزا

پھر اس کی سزا آخرت میں اتنی زیادہ کہ پڑھ کے بندہ کانپتا ہے، ان میں سے ایک سزا یہ ہے کہ جو زانیہ عورت ہوگی اور بغیر توبہ کے مر جائے گی تو جہنم میں اس کو فرشتے ایک غار کی طرف لے جائیں گے، اس غار کے اندر دھکہ دے کر اس کے منہ کے اوپر چٹان رکھ دیں گے، وہ عورت نہیں نکل سکے گی، پھر اس غار کے اندر بچھو ہوں گے وہ بچھو اس کے جسم پر اس طرح لپٹیں گے جیسے شہد کے چھتے کے اوپر شہد کی مکھیاں ہوتی ہیں اور اتنے بچھو ایک وقت میں اس کو کاٹیں گے تو اس کو تکلیف ہوگی مگر اللہ تعالی کہیں گے کہ تم نے وہ گناہ کیا کہ جس گناہ کی وجہ سے تیرے انگ انگ نے مزے لئے تھے آج تیرے انگ انگ میں زہر جائے گا اور اس کو

جا کر تکلیف پہنچائے گا۔سوچئے وہاں انسان اکیلا ہوگا، بچھو کاٹ رہے ہوں گے، آج تو کوئی شہد کی مکھی کاٹ لے تو درد برداشت نہیں ہوتا، بچھو کاٹیں گے اور اتنے زیادہ بچھو ایک وقت میں کاٹیں گے تو جسم کی کیا حالت ہوگی؟ چند لمحوں کی لذت کی خاطر بندہ اللہ کے دربار سے دھتکارا جائے، بندہ اللہ کی نظر کے اندر مشرک بن جائے، بت پرست بن جائے، اللہ تعالیٰ محبت کی نظر سے دیکھنا ہی پسند نہ کریں تو ایسا گناہ کتنا بڑا گناہ ہے؟ اللہ تعالیٰ اس گناہ سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وقت کم ہے مگر ذرا سن لیجئے، حدیث مبارک ہے کہ ''**کان رجل یتعبد فی صومعته نحو امن ستین سنة**'' ایک عابد تھا جس نے ساٹھ سال اللہ تعالیٰ کی عبادت کی، پھر ایک دن کیا ہوا کہ باہر بارش ہوئی تو اس نے کھڑکی سے دیکھا تو اس کو باہر سبزہ نظر آیا، اچھا موسم نظر آیا، ''**فقال**'' کہنے لگا ''**لو نزلت فمشیت و نظرت**'' اگر میں نیچے اتروں میں ذرا چلوں پھروں گا اور میں دیکھوں گا ''**ففعل**'' اس نے ایسا ہی کیا۔ ''**فبینما ھو یمشی**'' جب وہ باہر چل رہا تھا ''**اذلقیته امرأة فکلمها**'' اس کو ایک عورت ملی اور باتیں کرنے لگ گئی ''**فلم تزل تکلمه حتی واقعها**'' وہ باتیں کرتے کرتے اپنے آپ پہ قابو نہ رکھ سکا، حتیٰ کہ اس مرد نے اس عورت کے ساتھ زنا کا ارتکاب کیا، جب ارتکاب کرلیا تو اس نے سوچا کہ میں غسل کروں، ''**وضع کیسا کان علیه**'' چنانچہ اس نے اپنے کپڑے اتارے جو اس کے اوپر تھے ''**فیه رغیف**'' اس میں تھیلی بھی تھی اور تھیلی میں کچھ روٹی کے ٹکرے تھے ''**فنزل الماء**'' وہ پانی کے قریب آیا تا کہ وہ غسل کرے، ''**فحضر أجله**'' عین اس لمحے میں اس کی موت کا وقت آ گیا، ''**فمر سائل**'' اتنے میں ایک سائل اس کے قریب سے گذرا ''**فأومأ الی الرغیف فأخذه**'' اب اس کے اوپر تو مرنے کی کنڈیشن آچکی تھی تو اس نے اشارے سے اس سائل کو کہا کہ میرے اس تھیلی میں سے کچھ لے لو تو سائل نے تھیلی میں سے کچھ صدقہ لے لیا اور چلا گیا ''**ومات الرجل**'' اس بندے کی وفات ہوگئی ''**فوُزن عمله لستین سنة فرجحت خطیئته بعمله**'' اس کی ساٹھ سالہ عبادت اس کے زنا کے گناہ سے ہلکی نکلیں، تو زنا کا گناہ بھاری ہوگیا ساٹھ سال کی عبادت کم ہوگئی، حکم ہوا کہ اس کو جہنم میں لے جاؤ پھر کہا ایک عمل اس کا باقی ہے، اس نے مرتے مرتے صدقہ کیا تھا ''**ثم وزن الرغیف فرجح**'' جب اس صدقے کا وزن کیا تو پھر اس کی نیکیوں کا پلڑا غالب آیا ''**فغفر له**'' تو اللہ نے اس کی مغفرت فرمادی، تو سوچنے کی بات ہے کہ ایک گناہ ساٹھ سال کی عبادت کو ختم کر دیتا ہے جو کئی مرتبہ گناہ کے مرتکب ہوں تو ان کی عبادتوں کا کیا بنے گا، قیامت کے دن اللہ رب العزت کے سامنے کیا پیشی ہوگی، اس لئے انسان کو چاہئے کہ وہ پاکدامنی کی زندگی گذارے۔

شریعت نے کہا کہ عورت کو اگر اپنی جان بھی دینی پڑے تو وہ جان دے دے شہید کہلائے گی۔

ایک واقعہ سنا کے میں بات کو مکمل کر دیتا ہوں، امید ہے کہ بچیاں اس واقعہ کو توجہ سے سنیں گی، ایک آدمی قصاب تھا اور وہ رات کو صبح کے وقت جاتا تھا، جانور ذبح کرتا تھا اور دن میں لا کر وہ اپنی دوکان پہ گوشت کو بیچا کرتا تھا، جب وہ جانور کو ذبح کرتا تو اس کے کپڑوں پر خون لگ جاتا اور واپسی پر وہ خون آلودہ کپڑوں میں ہی آتا، مگر گھر آ کر کپڑے بدل لیا کرتا تھا، ایک رات جب وہ جانوروں کو ذبح کر کے واپس آ رہا تھا تو رات کا اندھیرا تھا، وہ ایک جگہ سے گذر رہا تھا کہ ایک بندہ شور مچاتا ہوا آیا اور آ کے اس نے اس کو پکڑ لیا، جب پکڑ لیا تو اس نے دیکھا کہ اس بندے کے جسم سے خون بہہ رہا ہے، وہ حیران ہوا، اتنے میں اس بندے کی جان نکل گئی، دیکھا تو اس کے جسم میں ایک چھری تھی جو کسی نے گھونپ دی تھی، اب جو قتل کرنے والا تھا وہ تو بھاگ گیا، مقتول نے اندھیرے میں سمجھا کہ شاید اس نے قتل کیا ہے، جب اس کی وفات ہوگئی تو اتنے میں لوگ آ گئے، اب لوگوں نے مقتول کو بھی دیکھا، اس قصاب کو بھی دیکھا، اس کے جسم پہ خون کے آثار بھی دیکھے، انھوں نے پکڑ لیا کہ تم نے اسے قتل کیا ہے، پھر قاضی کے پاس مقدمہ گیا، قاضی نے گواہ دیکھے، مقتول کو دیکھا تو اس نے اس کے اوپر قصاص کا حکم لگا دیا کہ جان کا بدلہ جان ہے، لہٰذا اس بندے کو پھانسی دی جائے گی، اس کا سر قلم کیا جائے گا، چنانچہ جب سر قلم کرنے کے لئے اس بندے کو مجمع کے سامنے لایا گیا تو اس وقت اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تو جو لانے والا پولیس افسر تھا اس نے پوچھا کہ تم کیوں رو رہے ہو؟ تمہیں اپنے جرم کے اوپر ندامت ہو رہی ہے؟ اس نے کہا کہ ندامت تو ہو رہی ہے لیکن میں اس بندے کا قاتل نہیں ہوں جس کی وجہ سے مجھے سزا دی جا رہی ہے میں کسی اور کا قاتل ہوں، اس نے کہا تمہاری اسٹوری کیا؟ اب اس لڑکے نے اپنی اسٹوری سنائی کہ میری جوانی کی عمر تھی، میں اس زمانے میں کشتی چلاتا تھا، لوگوں کو ایک کنارے سے دوسرے کنارے کی طرف لے جاتا تھا، ایک دن ایک عورت اور اس کی بیٹی میری کشتی پر سوار ہوئی، میں نے لڑکی کو دیکھا تو وہ بہت خوبصورت چاند کا ٹکڑا تھی، میرا دل اس پر فریفتہ ہوگیا، میں نے اس لڑکی سے اشارے میں باتیں شروع کر دیں، لڑکی نے دیکھا کہ یہ نوجوان میرے اندر انٹرسٹ لے رہا ہے تو اس نے بھی مجھ سے اشاروں میں بات کی، حتی کہ ہمارے درمیان ایک دوسرے کے ساتھ ایک تعلق ہوگیا، مگر لڑکی نے کہہ دیا کہ میں نکاح کے بغیر آپ کے قریب نہیں آؤں گی، آپ اگر مجھے اتنا چاہتے ہیں تو میرے والد سے بات کریں، لگتا تھا کہ وہ لڑکی بہت نیک نقیہ تقیہ پاک دامن لڑکی تھی، لڑکا کہنے لگا کہ میں ایک سال اس کی محبت میں تڑپتا رہا، بالآخر میں نے اس کے باپ سے نکاح کا پیغام بھیجا تو والد نے کہا کہ نہیں، میری

بیٹی بہت خوبصورت اور بہت نیک ہے، تمہارے پاس نہ علم ہے اور نہ تمہارے پاس نیکی ہے، تمہارا کوئی جوڑ نہیں بنتا، اس نے رشتہ کو reject کر دیا، میں بہت مایوس ہوا، خیر میں اپنی زندگی گذارتا رہا، دو سال اسی طرح میرے گذر گئے، میں ایک دن پھر اسی طرح اپنی کشتی لے کر جارہا تھا کہ ایک عورت آئی اور اس کے پاس ایک سال کا بیٹا بھی تھا، اب وہ کشتی میں بیٹھ گئی، اب جب میں نے کشتی چلانی شروع کی اور میں نے غور سے دیکھا تو میں نے دیکھا کہ یہ وہی لڑکی تھی جس کو میں نے اپنی محبوبہ بنایا تھا اور ایک سال جس کی محبت میں پاگل ہوا تھا، میں نے اس سے باتیں شروع کر دیں، وہ کہنے لگی کہ دیکھو میرا نکاح ہو چکا ہے، میرا خاوند ہے اور یہ میرا بیٹا ہے، میں اب آپ سے بات بھی نہیں کر سکتی، میں نے کہا کہ تم پہلے مجھ سے بات کرتی تھیں، اس نے کہا اس وقت میں کنواری تھی، رشتہ کے لئے آپ نے میری طرف توجہ کی تو میں نے آپ کو گائڈ کیا کہ میرے والد سے رابطہ کریں، اب تو یہ معاملہ اور ہو چکا، میں نے اس کو کہا نہیں، میں نے تم کو بہت miss کیا، میں بہت تڑپا، تمہارے لئے روز راتوں کو روتا تھا، اس نے کہا کہ مجھے اس وقت آپ سے کوئی بات نہیں کرنی، اس لئے کہ میں کسی کی امانت ہوں، میں اس کو بہت فحش قسم کی باتیں سنا کر جذبات میں لانا چاہا مگر وہ بالکل خاموش بت بن کے بیٹھی رہی، میرے دل میں گناہ کا خیال آیا، میں نے اس سے کہا اچھا یہ بچہ تو چھوٹا ہی ہے، تم اسی کشتی کے اندر اس وقت میرے قریب آؤ اور مجھے اپنی خواہش پوری کرنے دو، اس نے کہا دیکھو اللہ سے ڈرو، میں کسی کی امانت ہوں، تم اس مہر کو مت توڑو، مگر میرے اوپر تو شہوت سوار تھی، میں درندہ بنا ہوا تھا، میں نے پہلے اس کو پیار محبت سے بہلانا پھسلانا چاہا، جب اس نے صاف انکار کر دیا تو اس وقت میں نے اس کا بیٹا چھین لیا، میں نے اس کو دھمکایا کہ دیکھو میں تمہارے بچے کو پانی کے اندر ڈال دوں گا، آخر وہ ماں تھی، رونے لگی کہ میرے بیٹے کے ساتھ ایسا نہ کرو، میں نے اس بچے کا سر پانی کے اندر الٹا کر کے ڈالا، تو بچہ تڑپنے لگا، میں نے پھر اسے اٹھالیا، میں چاہتا تھا کہ یہ میری بات مان جائے، وہ روتی تو تھی لیکن اس نے ہاں نہ کیا، حتی کہ بچے کو جب بار بار پانی میں ڈالا تو وہ بچہ فوت ہو گیا، میں نے اس بچے کو پانی کے اندر پھینک دیا، اب وہ نوجوان لڑکی اکیلی تھی تو میں نے یہ چاہا کہ میں زبردستی اس کے ساتھ وہ گناہ کروں، میں نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا، لڑکی نے اپنے زور کے مطابق اپنے آپ کو پیچھے ہٹایا، پھر میں نے اس کے بالوں کو پکڑا اور بے پردہ کر دیا اور میں نے اس سے کہا کہ میں تمہیں بھی اسی طرح پانی کے اندر ڈبو دوں گا، تم میری بات مانو، اس نے کہا تم جو مرضی کرو میں اللہ کا حکم نہیں توڑ سکتی، چنانچہ میں نے اس کے کپڑوں کو پھاڑ دیا، اس کے سینے کو ننگا کر دیا، اب جب اس نے میری بات بالکل ہی نہ مانی

تو میرے دل میں خیال آیا کہ اس حالت میں اگر اس کو میں چھوڑ دوں گا تو یہ بچے کے قتل کا مقدمہ بھی میرے اوپر کرے گی، اور دست درازی کا بھی میرے اوپر مقدمہ ہوجائے گا، تو بہتر ہے کہ اس لڑکی کو بھی ماردیا جائے، پھر میرے اوپر ایسی درندگی طاری ہوئی کہ میں نے اس لڑکی کو دھکہ دیا، وہ پانی کے اندر گرگئی اور ڈوب گئی، میں نے ۲۰ سال پہلے اس ماں اور بیٹے کو قتل کیا تھا، پھر ڈر کے مارے میں نے یہ کام بھی چھوڑ دیا کہ کسی کو شک نہ پڑے اور میں نے قصاب کا پیشہ اختیار کرلیا مگر اللہ کی لاٹھی بے آواز ہے، آج بیس سال گذرنے کے بعد ظاہر میں میں بے قصور ہوں کہ اس آدمی کو میں نے قتل نہیں کیا مگر اس قتل کے بدلے اللہ نے مجھے آج پھانسی کے پھندے پہ لا کھڑا کیا، سچ ہے کہ اللہ کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے۔

ذرا سوچئے کہ اس لڑکی کو اللہ نے اتنی ہمت دی کہ اپنی جان تو دیتی ہے، اپنے سامنے بیٹے کو مرتا دیکھ تو لیتی ہے مگر اپنے جسم کو ہاتھ نہیں لگانے دیتی، یہ وہ لڑکی ہوگی کہ قیامت دن اللہ تعالی اس کو تاج پہنائیں گے، جنت میں اس کو عزتوں کی جگہ عطا فرمائیں گے۔ آج کی لڑکیاں ذرا اپنے آپ کو دیکھیں کہ کس طرح وہ غیر مردوں کے سامنے ٹیلیفون پہ باتیں کرتی ہیں، محبت کی پینگیں بڑھاتی ہیں، رب کو ناراض کرلیتی ہیں، عاقبت کو برباد کرلیتی ہیں، لہٰذا اگر عورتیں چاہتی ہیں کہ ہمارے گھروں کے اندر سکون ہو، اطمینان ہو، تو سب باتوں کی ایک بات اور سو جوابوں کا ایک جواب کہ پاکدامنی کی زندگی کو اختیار کریں، بے برکتی ختم ہوجائے گی، دلوں کے فاصلے ختم ہوجائیں گے، اللہ کی رحمت کی نظر پڑے گی، اللہ آپ کو پاکیزہ زندگی اور پرسکون زندگی عطا فرمادیں گے، جتنے بھی بیانات اس اعتکاف کے اندر کئے گئے ہیں ان تمام کا لب لباب یہ ہے کہ ہماری ازدواجی زندگی کی پریشانیوں کا حل ہماری پاکدامنی کی زندگی کے اندر موجود ہے، آج نیت کرلیجئے کہ اللہ! ہم نے گناہ سے توبہ کی، ہم اپنا نام بت پرستوں میں نہیں لکھوانا چاہتے، ہم قیامت کے دن بت پرست بن کے کھڑے نہیں ہونا چاہتے ،اللہ! جو غلطیاں ہوچکیں ان کو معاف کردیجئے، رمضان کے روزے کی برکت سے اور رمضان کے اس مبارک دن کی برکت سے اللہ پچھلے گناہوں کو معاف کردیجئے، آئندہ ہم پردہ کا بھی خیال کریں گی، آئندہ ہم سیل فون کا بھی غلط استعمال نہیں کریں گی، آئندہ ہم انٹرنیٹ کے اوپر بھی بدکاری نہیں دیکھیں گی اور آئندہ ہم نیکوکار پرہیزگار بن کر زندگی گذاریں گی، اس کے بدلے اللہ ہمیں دنیا میں بھی اپنے خاوندوں اور بچوں کی خوشیاں نصیب فرما اور قیامت کے دن بھی ہمیں اپنے خاوند اور بچوں کے ساتھ جنت میں اکٹھا جمع ہونا نصیب فرما۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

☆☆☆

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ

سود اور اس کا متبادل

[ذیل میں آپ جو مضمون ملاحظہ فرمائیں گے وہ چند سال پہلے امریکہ میں فقیہ اسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ کا ایک خطاب ہے ——— ادارہ]

خطبۂ مسنونہ اور تعوذ و بسم اللہ کے بعد:

یَمْحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا وَیُرْبِی الصَّدَقَاتِ (سورۃ البقرۃ: ۲۷۶)

مغربی دنیا کے مسلمانوں کی مشکلات

میرے محترم بھائیو اور بہنو! آج کی اس نشست کے لئے جو موضوع تجویز کیا گیا ہے وہ ''ربا'' سے متعلق ہے، جس کو اردو میں ''سود'' اور انگریزی میں Usury یا Interest کہا جاتا ہے، اور غالباً اس موضوع کو اختیار کرنے کا مقصد یہ ہے کہ یوں تو ساری دنیا میں اس وقت سود کا نظام چلا ہوا ہے، لیکن بالخصوص مغربی دنیا میں جہاں آپ حضرات قیام پذیر ہیں، وہاں بیشتر معاشی سرگرمیاں سود کی بنیاد پر چل رہی ہیں۔ اس لئے مسلمانوں کو قدم قدم پر یہ مسئلہ درپیش ہوتا ہے کہ وہ کس طرح معاملات کریں اور سود سے کس طرح چھٹکارا حاصل کریں۔ اور آج کل مختلف قسم کی غلط فہمیاں بھی لوگوں کے درمیان پھیلائی جارہی ہیں کہ آج کل معاشی زندگی میں جو Interest چل رہا ہے وہ درحقیقت حرام نہیں ہے، اس لئے کہ یہ اس ''ربا'' کی تعریف میں داخل نہیں ہوتا جس کو قرآن کریم نے حرام قرار دیا تھا۔ ان تمام باتوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مجھے اس وقت یہ موضوع دیا گیا ہے کہ میں Interest کے موضوع پر جو بنیادی معلومات ہیں وہ قرآن وسنت اور موجودہ حالات کی روشنی میں آپ کے سامنے پیش کروں۔

سودی معاملہ کرنے والوں کے لئے اعلانِ جنگ

سب سے پہلی بات سمجھنے کی یہ ہے کہ سود کو قرآن کریم نے اتنا بڑا گناہ قرار دیا ہے کہ شاید کسی اور

گناہ کو اتنا بڑا گناہ قرار نہیں دیا۔ مثلاً شراب نوشی، خنزیر کھانا، زنا کاری، بدکاری وغیرہ کے لئے قرآن کریم میں وہ الفاظ استعمال نہیں کے گئے جو سود کے لئے استعمال کئے گئے ہیں، چنانچہ فرمایا کہ: يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۝۲۷۸ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سود کا جو حصہ بھی رہ گیا ہو اس کو چھوڑ دو، اگر تمہارے اندر ایمان ہے۔ اگر تم سود کو نہیں چھوڑو گے، یعنی سود کے معاملات کرتے رہو گے، تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلانِ جنگ سن لو۔ یعنی ان کے لئے اللہ کی طرف سے لڑائی کا اعلان ہے۔ یہ اعلانِ جنگ اللہ تعالی کی طرف سے کسی بھی گناہ پر نہیں کیا گیا۔ چنانچہ جو لوگ شراب پیتے ہیں ان کے بارے میں یہ نہیں کہا گیا کہ ان کے خلاف اعلانِ جنگ ہے یا جو خنزیر کھاتے ہیں ان کے خلاف اعلان جنگ ہے اور نہ یہ کہا گیا کہ جو زنا کرتے ہیں ان کے خلاف اعلان جنگ ہے، لیکن ''سود'' کے بارے میں فرمایا کہ جو لوگ سود کے معاملات کو نہیں چھوڑتے ان کے لئے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہے۔ اتنی سخت اور سنگین وعید اس پر وارد ہوئی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اس پر اتنی سنگین اور سخت وعید کیوں ہے؟ اس کی تفصیل انشاء اللہ آگے معلوم ہو جائے گی۔

''سود'' کس کو کہتے ہیں

لیکن اس سے پہلے سمجھنے کی بات یہ ہے کہ ''سود'' کس کو کہتے ہیں؟ ''سود'' کیا چیز ہے؟ اس کی تعریف کیا ہے؟ جس وقت قرآن کریم نے ''سود'' کو حرام قرار دیا اس وقت اہل عرب میں ''سود'' کا لین دین متعارف اور مشہور تھا۔ اور اس وقت ''سود'' اسے کہا جاتا تھا کہ کسی شخص کو دیئے ہوئے قرض پر طے کر کے کسی بھی قسم کی زیادہ رقم کا مطالبہ کیا جائے۔ مثلاً میں نے آج ایک شخص کو سو روپے بطور قرض دئے اور میں اس سے کہوں کہ میں ایک مہینہ کے بعد یہ رقم واپس لوں گا اور تم مجھے ایک سو دو روپے واپس کرنا، اور یہ پہلے سے میں نے طے کر دیا کہ ایک ماہ بعد ایک سو دو روپے واپس لوں گا تو یہ سود ہے۔

معاہدہ کے بغیر زیادہ دینا سود نہیں

پہلے سے طے کرنے کی شرط اس لئے لگائی کہ اگر پہلے سے کچھ طے نہیں کیا ہے، مثلاً میں نے کسی کو سو روپے قرض دے دیئے اور میں نے اس سے یہ مطالبہ نہیں کیا کہ تم مجھے ایک سو دو روپے واپس کرو گے، لیکن واپسی کے وقت اس نے اپنی خوشی سے مجھے ایک سو دو روپے دے دیئے، اور ہمارے درمیان یہ ایک

سود و روپے واپس کرنے کی بات طے شدہ نہیں تھی، تو یہ سود نہیں ہے اور حرام نہیں ہے بلکہ جائز ہے۔

قرض کی واپسی کی عمدہ شکل

خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے کہ جب آپ کسی کے مقروض ہوتے تو وہ قرض خواہ قرض کا مطالبہ کرتا تو آپ وہ قرض کچھ زیادتی کے ساتھ بڑھتا ہوا واپس کرتے، تا کہ اس کی دل جوئی ہو جائے، لیکن یہ زیادتی چونکہ پہلے سے طے شدہ نہیں ہوتی تھی اس لئے وہ سود نہیں ہوتی تھی۔ اور حدیث کی اصطلاح میں اس کو ''حسن القضاء'' کہا جاتا ہے، یعنی اچھے طریقے سے قرض کی ادائیگی کرنا، اور ادائیگی کے وقت اچھا معاملہ کرنا، اور کچھ زیادہ دے دینا یہ سود نہیں ہے بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں تک فرمایا کہ: ''ان خيار كم أحسنكم قضاء''[1] یعنی تم میں بہترین لوگ وہ ہیں جو قرض کی ادائیگی میں اچھا معاملہ کرنے والے ہوں۔ لیکن اگر کوئی شخص قرض دیتے وقت یہ طے کرلے کہ میں جب واپس لوں گا تو زیادتی کے ساتھ لوں گا، اس کو سود کہتے ہیں، اور قرآن کریم نے اسی کو سخت اور سنگین الفاظ کے ساتھ حرام قرار دیا ہے، اور سورۃ البقرہ کے تقریبا پورے دو رکوع اس سود کی حرمت پر نازل ہوئے ہیں۔

قرآن کریم نے کس سود کو حرام قرار دیا؟

بعض اوقات ہمارے معاشرے میں یہ کہا جاتا ہے کہ جس سود کو قرآن کریم نے حرام قرار دیا ہے وہ درحقیقت یہ تھا کہ اس زمانے میں قرض لینے والا غریب ہوتا تھا اور اس کے پاس روٹی اور کھانے کے لئے پیسے نہیں ہوتے تھے، اگر وہ بیمار ہے تو اس کے پاس علاج کے لئے پیسے نہیں ہوتے تھے، اگر گھر میں میت ہوگئی تو اس کے پاس اس کو کفنانے اور دفنانے کے پیسے نہیں ہوتے تھے، ایسے موقع پر وہ غریب بیچارہ کسی سے پیسے مانگتا تو وہ قرض دینے والا اس سے کہتا کہ میں اس وقت تک قرض نہیں دوں گا جب تک تم مجھے اتنا فیصد زیادہ واپس نہیں دو گے، تو چونکہ یہ ایک انسانیت کے خلاف بات تھی کہ ایک شخص کو ایک ذاتی ضرورت ہے اور وہ بھوکا اور ننگا ہے، ایسی حالت میں اس کو سود کے بغیر پیسے فراہم نہ کرنا ظلم اور زیادتی تھی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو حرام قرار دیا اور سود لینے والے کے خلاف اعلانِ جنگ کیا۔

لیکن ہمارے دور میں اور خاص طور پر بینکوں میں جو سود کے ساتھ روپے کا لین دین ہوتا ہے اس میں قرض لینے والا کوئی غریب یا فقیر نہیں ہوتا، بلکہ اکثر اوقات وہ بڑا دولت مند اور سرمایہ دار ہوتا ہے اور وہ

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الاستقراض، باب حسن القضاء، حدیث نمبر: ۲۳۹۳

قرض اس لئے نہیں لیتا کہ اس کے پاس کھانے کو نہیں ہے، یا اس کے پاس پہننے کے لئے کپڑے نہیں ہیں، یا وہ کسی بیماری کے علاج کے لئے قرض لے رہا ہے، بلکہ وہ اس لئے قرض لے رہا ہے تاکہ ان پیسوں کو اپنی تجارت اور کاروبار میں لگائے اور اس سے نفع کمائے۔ اب اگر قرض دینے والا شخص یہ کہے کہ تم میرے پیسے اپنے کاروبار میں لگاؤ گے اور نفع کماؤ گے تو اس نفع کا دس فیصد بطور نفع کے مجھے دو تو اس میں کیا قباحت اور برائی ہے؟ اور یہ وہ سود نہیں ہے جس کو قرآن کریم نے حرام قرار دیا ہے، یہ اعتراض دنیا کے مختلف خطوں میں اٹھایا جاتا ہے۔

تجارتی قرض (Commercial Loan) ابتدائی زمانے میں بھی تھے

ایک اعتراض یہ اٹھایا جاتا ہے کہ یہ کاروباری سود (Commercial Interest) اور یہ تجارتی قرض (Commercial Loan) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں نہیں تھے، بلکہ اس زمانے میں ذاتی اخراجات اور ذاتی استعمال کے لئے قرضے لئے جاتے تھے، لہٰذا قرآن کریم اس چیز کو کیسے حرام قرار دے سکتا ہے جس کا اس زمانے میں وجود ہی نہیں تھا، اس لئے بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم نے جس سود کو حرام قرار دیا ہے وہ غریبوں اور فقیروں والا سود تھا، اور یہ کاروباری سود حرام نہیں ہے۔

صورت بدلنے سے حقیقت نہیں بدلتی

پہلی بات تو یہ ہے کہ کسی چیز کے حرام ہونے کے لئے یہ بات ضروری نہیں ہے کہ وہ اس خاص صورت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں بھی پائی جائے، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں اس انداز سے اس کا وجود بھی ہو۔ قرآن کریم جب کسی چیز کو حرام قرار دیتا ہے تو اس کی ایک حقیقت اس کے سامنے ہوتی ہے اور اس حقیقت کو وہ حرام قرار دیتا ہے، چاہے اس کی کوئی خاص صورت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں موجود ہو یا نہ ہو۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ قرآن کریم نے شراب کو حرام قرار دیا ہے، اور شراب کی حقیقت یہ ہے کہ ایسا مشروب جس میں نشہ ہو۔ اب آج اگر کوئی شخص یہ کہنے لگے کہ صاحب! آج کل کی یہ وہسکی (Whisky) بیئر (Beer) اور برانڈی (Brandy) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں تو پائی نہیں جاتی تھی، لہٰذا یہ حرام نہیں ہے، تو یہ بات صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں اگرچہ یہ اس خاص شکل میں موجود نہیں تھی، لیکن اس کی حقیقت یعنی ''ایسا مشروب جو نشہ آور ہو'' موجود تھی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو حرام قرار دے دیا تھا۔ لہٰذا اب وہ ہمیشہ کے لئے حرام ہو گئی۔ اب چاہے شراب

کی نئی شکل آجائے اور اس کا نام چاہے وہسکی رکھ دیا جائے یا برانڈی رکھ لو یا بیئر رکھ لو یا کوک (Coke) رکھ لو، نشہ آور مشروب ہر شکل اور ہر نام کے ساتھ حرام ہے۔

اس لئے یہ کہنا کہ ''کمرشل لون'' (Commercial Loan) چونکہ اس زمانے میں نہیں تھے بلکہ آج پیدا ہوئے ہیں اس لئے حرام نہیں ہیں، یہ خیال درست نہیں۔

ایک لطیفہ

ایک لطیفہ یاد آیا۔ ہندوستان کے اندر ایک گویّا (گانے والا) تھا، وہ ایک مرتبہ حج کرنے چلا گیا، حج کے بعد وہ مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ جا رہا تھا کہ راستے میں اس نے ایک منزل پر قیام کیا۔ اس زمانے میں مختلف منزلیں ہوتی تھیں، لوگ ان منزلوں پر رات گذارتے اور اگلے دن صبح آگے کا سفر کرتے، اس لئے گویّے نے راستے میں ایک منزل پر رات گذارنے کے لئے قیام کیا اور اس منزل پر ایک عرب گویّا بھی آ گیا، اور اس نے وہاں بیٹھ کر عربی میں گانا بجانا شروع کر دیا، عرب گویّے کی آواز ذرا بھدی اور خراب تھی، کریہہ الصوت تھا، اب ہندوستانی گویے کو اس کی آواز بہت بری لگی اور اس نے اُٹھ کر کہا کہ آج یہ بات میری سمجھ میں آئی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گانا بجانا کیوں حرام قرار دیا تھا، دراصل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان بدوؤں کا گانا سنا تھا اس لئے حرام قرار دے دیا، اگر آپ میرا گانا سن لیتے تو آپ گانا بجانا حرام قرار نہ دیتے۔

آج کل کا مزاج

آج کل یہ مزاج بن گیا ہے کہ ہر چیز کے بارے میں لوگ یہ کہتے ہیں کہ صاحب! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں یہ عمل اس طرح ہوتا تھا، اس لئے آپ نے اس کو حرام قرار دے دیا، آج چونکہ یہ عمل اس طرح نہیں ہو رہا ہے لہٰذا وہ حرام نہیں ہے۔ کہنے والے یہاں تک کہہ رہے ہیں کہ خنزیروں کو اس لئے حرام قرار دیا گیا تھا کہ وہ گندے ماحول میں پڑے رہتے تھے، غلاظت کھاتے تھے، گندے ماحول میں ان کی پرورش ہوتی تھی، اب تو بہت صاف ستھرے ماحول میں ان کی پرورش ہوتی ہے اور ان کے اعلیٰ درجے کے فارم قائم کر دئے گئے ہیں، لہٰذا اب ان کے حرام ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

شریعت کا ایک اصول

یاد رکھئے! قرآن کریم جب کسی چیز کو حرام قرار دیتا ہے تو اس کی ایک حقیقت ہوتی ہے، اس کی صورتیں چاہے کتنی بدل جائیں اور اس کو بنانے اور تیار کرنے کے طریقے چاہے کتنے بدلتے رہیں، لیکن اس کی

حقیقت اپنی جگہ برقرار رہتی ہے اور وہ حقیقت حرام ہوتی ہے، یہ شریعت کا اصول ہے۔

زمانۂ نبوت کے بارے میں ایک غلط فہمی

پھر یہ کہنا بھی درست نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں تجارتی قرضوں (Commercial Loan) کا رواج نہیں تھا، اور سارے قرضے صرف ذاتی ضرورت کے لئے لئے جاتے تھے۔ اس موضوع پر میرے والد ماجد حضرت مفتی شفیع صاحب قدس اللہ سرہ نے ''مسئلۂ سود'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے، اس کا دوسرا حصہ میں نے لکھا ہے، اس حصہ میں میں نے کچھ مثالیں پیش کی ہیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں بھی تجارتی قرضوں کا لین دین ہوتا تھا۔

جب یہ کہا جاتا ہے کہ عرب صحرا نشین تھے تو اس کے ساتھ ہی لوگوں کے ذہن میں یہ تصور آتا ہے کہ وہ معاشرہ جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تھے وہ ایسا سادہ اور معمولی معاشرہ ہوگا جس میں تجارت وغیرہ تو ہوتی نہیں ہوگی اور اگر ہوتی بھی ہوگی تو صرف گندم اور جَو وغیرہ کی ہوتی ہوگی۔ اور وہ بھی دس بیس روپے سے زیادہ کی نہیں ہوگی، اس کے علاوہ کوئی بڑی تجارت نہیں ہوتی ہوگی، عام طور پر ذہن میں یہ تصور بیٹھا ہوا ہے۔

ہر قبیلہ جوائنٹ اسٹاک کمپنی ہوتا تھا

لیکن یاد رکھئے یہ بات درست نہیں ہے، عرب کا وہ معاشرہ جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اس میں بھی آج کی جدید تجارت کی تقریباً ساری بنیادیں موجود تھیں، مثلاً آج کل ''جوائنٹ اسٹاک کمپنیاں'' ہیں۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ چودہویں صدی کی پیداوار ہے، اس سے پہلے ''جوائنٹ اسٹاک کمپنی'' کا تصور نہیں تھا، لیکن جب ہم عرب کی تاریخ پڑھتے ہیں تو یہ نظر آتا ہے کہ عرب کا ہر قبیلہ ایک مستقل ''جوائنٹ اسٹاک کمپنی'' ہوتا تھا، اس لئے کہ ہر قبیلے میں تجارت کا طریقہ یہ تھا کہ قبیلہ کے تمام آدمی ایک روپیہ دو روپیہ لاکر ایک جگہ جمع کرتے اور وہ رقم ''شام'' بھیج کر وہاں سے سامان تجارت منگواتے، آپ نے تجارتی قافلوں (Commercial Caravan) کا نام سنا ہوگا، وہ ''کاروان'' یہی ہوتے تھے کہ سارے قبیلے نے ایک ایک روپیہ جمع کرکے دوسری جگہ بھیجا اور وہاں سے سامان تجارت منگوا کر یہاں فروخت کردیا۔ چنانچہ قرآن کریم میں یہ جو فرمایا کہ: ''لایلاف قریش ایلافھم رحلة الشتاء والصیف'' (سورۂ قریش:۱) وہ بھی اسی بنا پر کہ یہ عرب کے لوگ سردیوں میں یمن کی طرف سفر کرتے تھے اور گرمیوں میں شام کی طرف سفر کرتے تھے اور گرمیوں اور سردیوں کے یہ سفر محض تجارت

کے لئے ہوتے تھے۔ یہاں سے سامان لے جا کر وہاں بیچ دیا، وہاں سے سامان لا کر یہاں بیچ دیا، اور بعض اوقات ایک ایک آدمی اپنے قبیلے سے دس لاکھ دینار قرض لیتا تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا وہ اس لئے قرض لیتا تھا کہ اس کے گھر میں کھانے کو نہیں تھا؟ یا اس کے پاس میت کو کفن دینے کے لئے کپڑا نہیں تھا؟ ظاہر ہے کہ جب وہ اتنا بڑا قرض لیتا تھا تو کسی کمرشل (کاروباری) مقصد کے لئے لیتا تھا۔

سب سے پہلے چھوڑا جانے والا سود

جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر سود کی حرمت کا اعلان فرمایا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ: ''وربا الجاهلية موضوع واول ربا أضع ربانا ربا عباس بن عبدالمطلب فانه موضوع كله'' (صحیح مسلم، کتاب الحج، باب حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حدیث نمبر ۱۲۱۸۔

یعنی (آج کے دن) جاہلیت کا سود چھوڑ دیا گیا اور سب سے پہلا سود جو میں چھوڑتا ہوں وہ ہمارے چچا حضرت عباس کا سود ہے، وہ سب کا سب ختم کر دیا گیا، چونکہ عباس رضی اللہ عنہ لوگوں کو سود پر قرض دیا کرتے تھے، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آج کے دن میں ان کا سود جو دوسرے لوگوں کے ذمہ ہے، وہ ختم کرتا ہوں، اور روایات میں آتا ہے کہ وہ دس ہزار مثقال سونا تھا، اور تقریبا ۴ ماشے کا ایک مثقال ہوتا ہے، اور یہ دس ہزار مثقال کوئی سرمایہ (Principal) نہیں تھا، بلکہ یہ سود تھا، جو لوگوں کے ذمہ اصل رقوم پر واجب ہوا تھا۔

اس سے اندازہ لگائیے کہ وہ قرض جس پر دس ہزار کا سود لگ گیا ہو، کیا وہ قرض صرف کھانے کی ضرورت کے لئے لیا گیا تھا! ظاہر ہے کہ وہ قرض تجارت کے لئے لیا گیا ہوگا۔

عہد صحابہ رضی اللہ عنہم میں بینکاری کی ایک مثال

حضرت زبیر ابن عوام رضی اللہ عنہ جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، انھوں نے اپنے پاس بالکل ایسا نظام قائم کیا ہوا تھا جیسے آج کل بینکنگ کا نظام ہوتا ہے، لوگ جب ان کے پاس اپنی امانتیں لا کر رکھواتے تو یہ ان سے کہتے کہ میں یہ امانت کی رقم بطور قرض لیتا ہوں، یہ رقم میرے ذمہ قرض ہے، اور پھر آپ اس رقم کو تجارت میں لگاتے، چنانچہ جس وقت آپ کا انتقال ہوا تو اس وقت جو قرض ان کے ذمہ تھا، اس کے بارے میں ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ''فحبست ماعليه من الديون فوجدته الفى الف ومائتى الف'' یعنی میں نے ان کے ذمہ واجب الاداء قرضوں کا حساب لگایا تو وہ بائیس لاکھ دینار نکلے۔

(مسئلۂ سود، ص ۱۱۳، بحوالہ طبقات لابن سعد، ص ۱۹، ج ۳۔)

لہٰذا یہ کہنا کہ اس زمانے میں تجارتی قرض نہیں ہوتے تھے، یہ بالکل خلاف واقعہ بات ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ تجارتی قرض بھی ہوتے تھے اور اس پر سود کا لین دین بھی ہوتا تھا، اور قرآن کریم نے ہر قرض پر جو بھی زیادتی وصول کی جائے اس کو حرام قرار دیا ہے، لہٰذا یہ کہنا کہ کمرشل لون (Commercial Loan) پر انٹرسٹ لینا جائز ہے، اور ذاتی قرضوں پر انٹرسٹ لینا جائز نہیں، یہ بالکل غلط ہے۔

سود مرکب اور سود مفرد دونوں حرام ہیں

اس کے علاوہ ایک اور غلط فہمی پھیلائی جارہی ہے، وہ یہ ایک سود مفرد(Simple Interesr) ہوتا ہے اور ایک سود مرکب (Compound Interest) ہوتا ہے، یعنی سود پر بھی سود لگتا چلا جائے۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں مرکب سود ہوتا تھا اور قرآن کریم نے اس کو حرام قرار دیا ہے، لہٰذا وہ تو حرام ہے، لیکن سود مفرد جائز ہے، اس لئے کہ وہ اس زمانے میں نہیں تھا اور نہ ہی قرآن نے اس کو حرام قرار دیا ہے۔ لیکن ابھی قرآن کریم کی جو آیت میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی اس میں فرمایا کہ: ''''یاایھاالذین آمنوا اتقوا اللہ وذروا مابقی من الربا'' یعنی اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور ربا کا جو حصہ بھی رہ گیا ہو اس کو چھوڑ دو، یعنی اس کے کم یا زیادہ ہونے کا کوئی سوال نہیں یا Rate of interest کے کم یا زیادہ ہونے کی بحث نہیں، جو کچھ بھی ہو اس کو چھوڑ دو۔ اور اس کے بعد آگے فرمایا کہ: ''وان تبتم فلکم رؤس اموالکم '' یعنی اگر تم ربا سے توبہ کرلو تو پھر تمہارا جو ''راس المال'' (Principal) ہے وہ تمہارا حق ہے اور خود قرآن کریم نے واضح طور پر فرمادیا کہ Principal تو تمہارا حق ہے لیکن اس کے علاوہ تھوڑی سی زیادتی بھی ناجائز ہے، لہٰذا یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ سود مرکب حرام ہے اور سود مفرد حرام نہیں، بلکہ سود کم ہو یا زیادہ سب حرام ہے اور قرض لینے والا غریب ہو تب بھی حرام ہے اور قرض لینے والا امیر اور مالدار ہو تو بھی حرام ہے۔ اگر کوئی شخص ذاتی ضرورت کے لئے قرض لے رہا ہو تو بھی حرام ہے اور اگر تجارت کے لئے قرض لے رہا ہو تو بھی حرام ہے، اس کے حرام ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

موجودہ بینکنگ انٹرسٹ بالاتفاق حرام ہے

یہاں یہ بات بھی عرض کردوں کہ تقریباً ۵۰، ۶۰ سال تک عالم اسلام میں بینکنگ انٹرسٹ (banking interest) کے بارے میں سوالات اٹھائے جاتے رہے، اور جیسا کہ میں نے عرض کیا

کہ بعض لوگ کہتے ہیں Compound interest حرام ہے، Simpleinterest حرام نہیں ہے، یا یہ کہنا کہ Commircial loan حرام نہیں ہے وغیرہ۔ یہ اشکالات اور اعتراضات عالم اسلام میں تقریبا ۵۰ سال تک ہوتے رہے ہیں، لیکن اب یہ بحث ختم ہوگئی ہے، اب ساری دنیا کے نہ صرف علماء بلکہ ماہرین معاشیات اور مسلم بینکرز بھی اس بات پر متفق ہیں کہ بینکنگ انٹرسٹ بھی اسی طرح حرام ہے، جس طرح عام قرض کے لین دین پر سود حرام ہوتا ہے اور اب اس پر اجماع ہو چکا ہے۔ کسی قابل ذکر شخص کا اس میں اختلاف نہیں۔ اس کے بارے میں آخری فیصلہ آج سے تقریبا ۴ سال پہلے جدہ میں مجمع الفقہ الاسلامی Islamic fiqh academy) جس میں تقریبا ۴۵ مسلم ملکوں کے سرکردہ علماء کا اجتماع ہوا، اور جس میں میں بھی شامل تھا، اور ان تمام ملکوں کے تقریبا دوسو علماء نے بالاتفاق یہ فتوی دیا کہ بینکنگ انٹرسٹ بالکل حرام ہے، اور اس کے جائز ہونے کا کوئی راستہ نہیں، لہذا یہ مسئلہ تو اب ختم ہو چکا ہے کہ بینکنگ انٹرسٹ حرام ہے یا نہیں؟

کمرشل لون پر انٹرسٹ میں کیا خرابی ہے؟

اب ایک بات باقی رہ گئی ہے اس کو بھی سمجھ لینا چاہئے، وہ یہ کہ شروع میں جیسا کہ عرض کیا تھا کہ لوگ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں صرف ذاتی ضرورت کے لئے قرض لئے جاتے تھے، اب اگر ایک شخص ذاتی ضرورت کے لئے قرض لے رہا ہے مثلاً اس کے پاس کھانے کو روٹی نہیں یا میت کو دفنانے کے لئے کفن نہیں ہے، اس کے لئے وہ قرض لے رہا ہے اور آپ اس سے سود کا مطالبہ کر رہے ہیں یہ تو ایک غیر انسانی حرکت اور ناانصافی کی بات ہے، لیکن جو شخص میرے پیسے کو تجارت میں لگا کر نفع کمائے گا اگر میں نفع میں اس سے تھوڑا حصہ لے لوں تو اس میں کیا خرابی ہے؟

آپ کو نقصان کا خطرہ (Risk) بھی برداشت کرنا ہوگا

پہلی بات تو یہ ہے کہ ایک مسلمان کو اللہ کے کسی حکم میں چوں چرا کی گنجائش نہیں ہونی چاہئے، اگر کسی چیز کو اللہ تعالی نے حرام کر دیا وہ حرام ہوگئی لیکن زیادہ اطمینان کے لئے یہ بات عرض کرتا ہوں تا کہ یہ بات اچھی طرح دل میں اتر جائے، وہ یہ کہ اگر آپ کسی شخص کو قرض دے رہے ہیں تو اس کے بارے میں اسلام یہ کہتا ہے کہ دو باتوں میں سے ایک بات متعین کر لو۔ کیا تم اس کی کچھ امداد کرنا چاہتے ہو؟ یا اس کے کاروبار میں حصہ دار بننا چاہتے ہو؟ اگر قرض کے ذریعہ اس کی امداد کرنا چاہتے ہو تو پھر آپ کی طرف سے صرف امداد ہی ہوگی پھر آپ کو اس قرض پر زیادتی کے مطالبے کا کوئی حق نہیں اور اگر اس کے کاروبار میں حصہ

دار بننا چاہتے ہیں تو پھر جس طرح نفع میں حصہ دار بنو گے اسی طرح نقصان میں بھی اس کا حصہ دار بننا ہوگا، یہ نہیں ہوگا کہ تم صرف نفع میں حصہ دار بن جاؤ، نفع ہو تو تمہارا اور اگر نقصان ہو تو وہ اس کا، لہٰذا جس صورت میں آپ اس کو کاروبار کے لئے پیسے دے رہے ہیں تو پھر یہ نہیں ہوسکتا کہ کاروبار میں نقصان کا خطرہ تو وہ برداشت کرے اور نفع آپ کو مل جائے بلکہ اس صورت میں آپ اس کو قرض نہ دیں —— یہ نہیں ہوگا، بلکہ اس کے ساتھ ایک Joint enterprise کیجئے اور اس کے ساتھ مشارکت اور پارٹنر شپ (Partnership) کیجئے یعنی اس سے معاہدہ کریں کہ جس کاروبار کے لئے تم قرض لے رہے ہو اس میں اتنا فیصد نفع میرا ہوگا اور اتنے فیصد تمہارا ہوگا، اگر اس کاروبار میں نقصان ہوگا تو وہ نقصان بھی اس نفع کے تناسب سے ہوگا لیکن یہ بالکل درست نہیں ہے کہ آپ تو اس سے یہ کہیں کہ اس قرض پر ۱۵ فیصد آپ سے لوں گا چاہے تمہیں کاروبار میں نفع ہو یا نقصان ہو، یہ بالکل حرام ہے اور سود ہے۔

آج کل کے انٹرسٹ کے نظام کی خرابی

آج کل انٹرسٹ (Interest) کا جو نظام رائج ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض اوقات قرض لینے والے کو نقصان ہوگیا تو اس صورت میں قرض دینے والا فائدہ میں رہا اور قرض لینے والا نقصان میں رہا اور بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ قرض لینے والے نے زیادہ شرح سے نفع کمایا اور قرض دینے والے کو اس نے معمولی شرح سے نفع دیا، اب قرض دینے والا نقصان میں رہا، اس کو ایک مثال کے ذریعہ سمجھئے۔

ڈیپازیٹر Depositor ہر حال میں نقصان میں ہے

مثلاً ایک شخص کروڑ روپے قرض لے کر اس سے تجارت شروع کرتا ہے، اب وہ ایک کروڑ روپیہ کہاں سے اس کے پاس آیا؟ وہ ایک کروڑ روپیہ کس کا ہے؟ ظاہر ہے کہ وہ روپے اس نے بینک سے لئے اور بینک کے پاس وہ روپیہ ڈیپازیٹر کا ہے، گویا کہ وہ ایک کروڑ روپیہ پوری قوم کا ہے اور اب اس قوم کے اس ایک کروڑ روپیہ سے تجارت شروع کی اور اس تجارت کے اندر اس کو سو فیصد نفع ہوا اور اب اس کے اس دو کروڑ ہوگئے جس میں سے ۱۵ فیصد یعنی پندرہ لاکھ روپے اس نے بینک کو دئے اور پھر بینک نے اس میں سے اپنا کمیشن اور اپنے اخراجات نکال کر باقی ۷ فیصد یا دس فیصد کھاتے دار (Depositors) کو دے دیے، نتیجہ یہ ہوا کہ جن لوگوں کا پیسہ تجارت میں لگا تھا جس سے اتنا نفع ہوا ان کو تو سو روپے پر صرف دس روپیہ نفع ملا اور یہ بیچارہ ڈپازیٹر بڑا خوش ہے کہ میرے سو روپے اب ایک سو دس ہوگئے، لیکن اس کو یہ معلوم نہیں کہ حقیقت میں اس کے پیسوں سے جو نفع

کمایا گیا اس کے لحاظ سے ایک سو کے دو سو ہونے چاہئے تھے، اور پھر دوسری طرف یہ دس روپیہ جو نفع اس کو ملا، قرض لینے والا اس کو دوبارہ اس سے وصول کر لیتا ہے، وہ کس طرح واپس وصول کرتا ہے؟

سود کی رقم مصارف میں شامل ہوتی ہے

وہ اس طرح وصول کرتا ہے کہ قرض لینے والا ان دس روپوں کو پیداواری اخراجات اور مصارف (Cost of production) میں شامل کر لیتا ہے، مثلاً فرض کرو کہ اس نے ایک کروڑ روپے بینک سے قرض لے کر کوئی فیکٹری لگائی یا کوئی چیز تیار کی تو تیاری کے مصارف (Cost) میں ۱۵ فیصد بھی شامل کر دیئے جو اس نے بینک کو ادا کئے، لہٰذا جب وہ ۱۵ فیصد بھی شامل ہو گئے تو اب جو چیز تیار (produce) ہوگی اس کی قیمت ۱۵ فیصد بڑھ جائے گی، مثلاً اس نے کپڑا تیار کیا تھا، تو اب انٹرسٹ کی وجہ سے اس کپڑے کی قیمت ۱۵ فیصد بڑھ گئی، لہٰذا ڈپازیٹر جس کو ایک سو کے ایک سو دس روپے ملے تھے، جب بازار سے کپڑا خریدے گا تو اس کو اس کپڑے کی قیمت ۱۵ فیصد زیادہ دینی ہوگی، تو نتیجہ یہ نکلا کہ ڈپازیٹر کو جو دس فیصد منافع دیا گیا تھا وہ دوسرے ہاتھ سے اس سے زیادہ کر کے ۱۵ فیصد وصول کر لیا گیا۔ یہ تو خوب نفع کا سودا ہوا، وہ ڈپازیٹر خوش ہے کہ مجھے سو روپے کے ایک سو دس روپے مل گئے، لیکن حقیقت میں اگر دیکھا جائے تو اس کو سو روپے کے بدلے ۹۵ روپے ملے، اس لئے کہ وہ پندرہ فیصد کپڑے کی لاگت (Cost) میں چلے گئے اور دوسری طرف ۸۵ فیصد منافع اس قرض لینے والے کی جیب میں چلا گیا۔

شرکت کا فائدہ

اور اگر شرکت پر معاملہ ہوتا اور یہ طے پاتا کہ مثلاً ۵۰ فیصد (50%) نفع سرمایہ لگانے والے (Financier) کا ہوگا، اور ۵۰ فیصد کام کرنے والے تاجر کا ہوگا تو اس صورت میں عوام کو ۱۵ فیصد کے بجائے ۵۰ فیصد نفع ملتا اور اس صورت میں یہ ۵۰ فیصد اس چیز کی لاگت (Cost) میں بھی شامل نہ ہوتا، اس لئے کہ نفع تو اس پیداوار کی فروخت کے بعد سامنے آئے گا اور پھر اس کو تقسیم کیا جائے گا، اس لئے کہ سود (Interest) تو لاگت (Cost) میں شامل کیا جاتا ہے لیکن نفع (Profit) لاگت (Cost) میں شامل نہیں کیا جاتا، تو یہ صورت اجتماعی نفع کی تھی۔

نفع کسی اور کا، نقصان کسی اور کا

اور اگر فرض کرو کہ ایک کروڑ روپیہ بینک سے قرض لے کر جو تجارت کی، اس تجارت میں اس کو

نقصان ہوگیا، وہ بینک اس نقصان کے نتیجہ میں دیوالیہ ہوگیا، اب اس بینک کے دیوالیہ ہونے کے نتیجہ میں کس کا روپیہ گیا؟ ظاہر ہے کہ عوام کا گیا، تو اس نظام میں نقصان ہونے کی صورت میں سارا نقصان عوام پر ہے، اور اگر نفع ہے تو سارا کا سارا قرض لینے والے کا۔

بیمہ کمپنی سے کون فائدہ اٹھا رہا ہے؟

قرض لینے والے تاجر کا اگر نقصان ہوجائے تو اس نے اس نقصان کی تلافی کے لئے ایک اور راستہ تلاش کرلیا ہے، وہ ہے انشورنس (Insurance) مثلا فرض کرو کہ روئی کے گودام میں آگ لگ گئی تو اس نقصان کو پورا کرنے کا فریضہ انشورنس کمپنی پر عائد ہوتا ہے، اور انشورنس کمپنی میں کس کا پیسہ ہے؟ وہ غریب عوام کا پیسہ ہے، اس عوام کا پیسہ ہے جو اپنی گاڑی اس وقت تک سڑک پر نہیں لاسکتے جب تک اس کو انشورڈ (Insured) نہ کرالیں، اور عوام کی گاڑی کا ایکسیڈنٹ نہیں ہوتا، اس کو آگ نہیں لگتی، لیکن وہ بیمہ کی قسطیں (Premium) ادا کرنے پر مجبور ہیں۔

ان غریب عوام کے بیمہ کی قسطوں سے انشورنس کمپنی کی عمارت تعمیر کی گئی، اور غریب عوام کے ڈیپازٹ کے ذریعہ تاجر کے نقصان کی تلافی کرتے ہیں، لہٰذا یہ سارا گورکھ دھندا اس لئے کیا جارہا ہے تاکہ اگر نفع ہو تو سرمایہ دار تاجر کا ہو، اور اگر نقصان ہو تو عوام کا ہو، اس کے نتیجہ میں یہ صورت حال ہورہی ہے۔ بینک میں جو پوری قوم کا روپیہ ہے اگر اس کو صحیح طریقہ پر استعمال کیا جاتا تو اس کے تمام منافع بھی عوام کو حاصل ہوتے۔ اور اب موجودہ نظام میں تقسیم دولت (Distribution of Wealth) کا جو سسٹم ہے اس کے نتیجہ میں دولت نیچے کی طرف جانے کے بجائے اوپر کی طرف جارہی ہے۔ انہی خرابیوں کی وجہ سے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ سود کھانا ایسا ہے جیسے اپنی ماں سے زنا کاری کرنا۔ اتنا سنگین گناہ اس لئے ہے کہ اس کی وجہ سے پوری قوم کو تباہی کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔

سود کی عالمی تباہ کاری

آج سے پہلے ہم سود کو صرف اس لئے حرام مانتے تھے کہ قرآن کریم نے اس کو حرام قرار دیا ہے، ہمیں اس کے عقلی دلائل سے زیادہ بحث نہیں تھی، اللہ تعالیٰ نے جب حرام قرار دے دیا ہے، بس حرام ہے، لیکن آج اس کے نتائج آپ خود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کررہے ہیں۔ آج پوری دنیا میں انٹرسٹ کا نظام جاری ہے۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ آپ کے اس ملک (امریکہ) کا دنیا میں طوطی بول رہا ہے۔ اور اب تو اس کا

دوسرا حریف بھی دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اور اب کوئی اس سے ٹکر لینے والا موجود نہیں، لیکن پھر بھی اقتصادی ابتری کا شکار ہے، اس کی بنیاد بھی انٹرسٹ پر ہے، اس لئے یہ کہنا کہ حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں غریب فقیر قسم کے لوگ سود پر قرض لیا کرتے تھے، ان سے سود کا مطالبہ کرنا حرام تھا، لیکن آج اگر کوئی شخص کمرشل لون پر سود لے رہا ہے تو اس کو حرام نہیں ہونا چاہئے، عقلی اور معاشی اعتبار سے یہ بات درست نہیں ہے۔ اگر کوئی غیر جانب داری سے اس نظام کا مطالعہ کرے تو اس کو پتہ چل جائے گا کہ اس نظام نے دنیا کو تباہی کے آخری کنارے تک پہنچا دیا ہے۔ اور انشاء اللہ ایک وقت آئے گا کہ لوگوں کے سامنے اس کی حقیقت کھل جائے گی۔ اور ان کو پتہ چل جائے گا کہ قرآن کریم نے سود کے خلاف اعلان جنگ کیوں کیا تھا؟ یہ تو سود کی حرمت کا ایک پہلو تھا جو میں نے آپ کے سامنے بیان کیا۔

سودی طریقۂ کار کا متبادل

ایک دوسرا سوال بھی بہت اہم ہے جو آج کل لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ہم یہ تو مانتے ہیں کہ انٹرسٹ حرام ہے، لیکن اگر انٹرسٹ کو ختم کر دیا جائے تو پھر اس کا متبادل طریقہ کیا ہو گا جس کے ذریعہ معیشت کو چلایا جائے؟ اس واسطے کہ آج پوری دنیا میں معیشت کی روح انٹرسٹ پر قائم ہے۔ اور اگر اس کی روح کو نکال دیا جائے تو اس کو چلانے کا دوسرا کوئی طریقہ نظر نہیں آتا۔ اس لئے لوگ کہتے ہیں کہ انٹرسٹ کے سوا کوئی دوسرا نظام موجود ہی نہیں ہے۔ اور اگر ہے تو ممکن اور قابل عمل (Practicable) نہیں ہے۔ اور اگر کسی کے پاس قابل عمل طریقہ موجود ہے تو وہ بتائے کہ کیا ہے؟

اس سوال کا جواب تفصیل طلب ہے اور ایک مجلس میں اس موضوع کا پورا حق ادا ہونا ممکن بھی نہیں ہے، اور اس کا جواب تھوڑا سا ٹیکنیکل بھی ہے۔ اور اس کو عام فہم اور عام الفاظ میں بیان کرنا بھی آسان نہیں ہے، لیکن میں اس کو عام فہم انداز میں بیان کرنے کی کوشش کرتا ہوں، تا کہ آپ حضرات کی سمجھ میں آجائے۔

ناگریز چیزوں کو شریعت میں ممنوع قرار نہیں دیا گیا

سب سے پہلے تو یہ سمجھ لیجئے کہ جب اللہ تعالی نے کسی چیز کو حرام قرار دے دیا کہ یہ چیز حرام ہے تو پھر یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ چیز ناگزیر ہو، اس لئے کہ اگر وہ چیز ناگزیر ہوتی تو اللہ تعالی اس کو حرام قرار نہ دیتے۔ اس لئے کہ قرآن کریم کا ارشاد ہے: ''لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا'' (سورہ بقرہ: ۲۸۶) یعنی اللہ تعالی انسان کو کسی ایسی چیز کا حکم نہیں دیتے جو اس کی وسعت سے باہر ہو۔ لہٰذا ایک مومن کے لئے تو

اتنی بات بھی کافی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ایک چیز کوحرام قرار دے دیا تو چونکہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں ہے کہ کونسی چیز انسان کے لئے ضروری ہے اور کونسی چیز ضروری نہیں ہے، لہٰذا جب اس چیز کوحرام قرار دے دیا تو یقیناوہ چیز ضروری اور ناگزیر نہیں ہے۔ اس چیز میں کہیں خرابی ضروری ہے جس کی وجہ سے وہ ضروری اور ناگریز معلوم ہورہی ہے تو اب اس خرابی کو دور کرنے کی ضرورت ہے لیکن یہ کہنا درست نہیں ہے کہ اس کے بغیر کام نہیں چلے گا، اور یہ چیز ناگزیر ہے۔

سودی قرض کا متبادل قرض حسنہ ہی نہیں ہے

دوسری بات یہ ہے بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں انٹرسٹ (Interest) جس کو قرآن کریم حرام قرار دیتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ آئندہ جب کسی کو قرض دیا جائے تو ان کو غیر سودی قرض (Interest Free laon) دینا چاہئے۔ اور اس پر کسی منافع کا مطالبہ نہیں کرنا چاہئے۔ اور اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ جب انٹرسٹ ختم ہوجائے گا تو ہمیں پھر غیر سودی قرضے ملا کریں گے، پھر جتنا قرض چاہیں حاصل کریں، اور اس سے کوٹھیاں بنگلے بنائیں۔ اور اس سے فیکٹریاں قائم کریں۔ اور ہم سے کسی انٹرسٹ کا مطالبہ نہیں ہوگا۔ اور اسی سوچ کی بنا پر لوگ کہتے ہیں کہ یہ صورت قابل عمل (Practicable) نہیں ہے۔ اس لئے کہ جب ہر شخص کو سود کے بغیر قرض دیا جائے گا تو پھر اتنا پیسہ کہاں سے آئے گا کہ سب لوگوں کو بغیر سود کے قرضہ دے دیا جائے؟

سودی قرض کا متبادل "مشارکت" ہے

یاد رکھئے کہ انٹرسٹ کا متبادل (Alternative) قرض حسنہ نہیں ہے کہ کسی کو ویسے ہی قرض دے دیا جائے بلکہ اس کا متبادل "مشارکت" ہے، یعنی جب کوئی شخص کاروبار کے لئے قرضہ لے رہا ہے تو وہ قرض دینے والا یہ کہہ سکتا ہے کہ میں تمہارے کاروبار میں حصہ دار بننا چاہتا ہوں، اگر تمہیں نفع ہوگا تو اس نفع کا کچھ حصہ مجھے دینا پڑے گا اور اگر نقصان ہوگا تو اس میں نقصان میں بھی میں شامل ہوں گا، تو اس کاروبار کے نفع اور نقصان دونوں میں قرض دینے والا شریک ہوجائے گا۔ اور یہ مشارکت ہوجائے گی، اور یہ انٹرسٹ کا متبادل طریقہ کار (Alternative system) ہے۔

اور مشارکت کا نظریاتی پہلو تو میں آپ کے سامنے پہلے بھی بیان کر چکا ہوں کہ انٹرسٹ کی صورت میں تو دولت کا بہت معمولی حصہ کھاتے دار (Depositor) کو ملتا ہے لیکن اگر مشارکت کی بنیاد پر کاروبار کیا جائے، اور سرمایہ کاری (Financing) مشارکت کی بنیاد پر ہو تو اس صورت میں تجارت کے

اندر جتنا نفع ہوگا اس کا ایک متناسب (Proportionate) حصہ کھاتہ داروں کی طرف بھی منتقل ہوگا اور اس صورت میں تقسیم دولت (Distribution of Wealth) کا گراف اوپر کی طرف جانے کے بجائے نیچے کی طرف آئے گا۔ لہٰذا اسلام نے جو متبادل نظام پیش کیا وہ مشارکت کا نظام ہے۔

مشارکت کے بہترین نتائج

لیکن یہ مشارکت کا نظام چونکہ موجودہ دنیا میں ابھی تک کہیں جاری نہیں ہے اور اس پر عمل نہیں ہوا اس لئے اس کی برکات بھی لوگوں کے سامنے نہیں آرہی ہیں۔ ابھی گذشتہ ۲۰۔۲۵ سال کے دوران مسلمانوں نے مختلف مقامات پر اس کی کوشش کی ہے کہ وہ ایسے مالیاتی ادارے اور بینک قائم کریں جو انٹرسٹ کی بنیاد پر نہ ہوں، بلکہ ان کو اسلامی اصولوں کی بنیاد پر چلایا جائے۔ اور شاید آپ کے علم میں بھی یہ بات ہوگی کہ اس وقت پوری دنیا میں کم از کم ۸۰ سے لے کر ۱۰۰ تک ایسے بینک اور سرمایہ کاری کے ادارے قائم ہو چکے ہیں جن کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ اسلامی اصولوں پر اپنے کاروبار کو چلا رہے ہیں اور انٹرسٹ سے پاک کاروبار کر رہے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ان کا یہ دعوی سو فیصد صحیح ہے بلکہ ہوسکتا ہے کہ اس میں کچھ غلطیاں اور کوتاہیاں بھی ہوں۔ لیکن بہرحال! یہ حقیقت اپنی جگہ ہے کہ اس وقت پوری دنیا میں تقریباً ایک سو ادارے اور بینک غیر سودی نظام پر کام کر رہے ہیں اور یہ صرف اسلامی ملکوں میں نہیں بلکہ بعض مغربی اور یورپین ممالک میں بھی کام کر رہے ہیں۔ ان بینکوں اور اداروں نے مشارکہ کے طریقہ پر عمل کرنا شروع کیا ہے۔ اور جہاں کہیں مشارکہ کے طریقہ کو اپنایا گیا، وہاں اس کے بہتر نتائج نکلے ہیں۔ ہم نے پاکستان میں ایک بینک میں اس کا تجربہ کیا، اور میں نے خود اس کی ''مذہبی نگراں کمیٹی'' کے ممبر ہونے کی حیثیت سے اس کا معائنہ کیا۔ اور اس میں مشارکہ کے اندر بعض اوقات کھاتہ داروں کو بیس فیصد نفع بھی دیا گیا، لہٰذا اگر مشارکہ کو وسیع پیمانے پر کیا جائے تو اس کے نتائج اور بھی زیادہ بہتر نکل سکتے ہیں۔

''مشارکت'' میں عملی دشواری

لیکن اس میں ایک عملی دشواری ہے، وہ یہ کہ اگر کوئی شخص مشارکہ کی بنیاد پر بینک سے پیسے لے گیا اور مشارکہ کے معنی نفع اور نقصان میں شرکت (Profit and Loss Sharing) کے ہیں کہ اگر نفع ہوگا تو اس میں بھی شرکت ہوگی اور اگر نقصان ہوگا تو اس میں بھی شرکت ہوگی، تو افسوسناک بات یہ ہے کہ خود ہمارے عالم اسلام میں بددیانتی اتنی عام ہے اور بگاڑ اتنا پھیلا ہوا ہے کہ اب اگر کوئی شخص اس بنیاد پر بینک

سے پیسے لے کر گیا کہ اگر نفع ہوا تو نفع لا کر دوں گا اور اگر نقصان ہوا تو نقصان بینک کو بھی برداشت کرنا پڑے گا تو وہ پیسے لے کر جانے والا شخص کبھی پلٹ کر نفع لے کر نہیں آئے گا، بلکہ وہ ہمیشہ یہ ظاہر کرے گا کہ مجھے نقصان ہوا ہے۔اور وہ بینک سے کہے گا کہ بجائے اس کے کہ آپ مجھ سے نفع کا مطالبہ کریں بلکہ اس نقصان کی تلافی کے لئے مجھے مزید رقم دیں۔

عملی پہلو کا یہ ایک بہت اہم مسئلہ ہے ،مگر اس کا تعلق اس مشارکہ کے نظام کی خرابی سے نہیں ہے اور اس کی وجہ سے یہ نہیں کہا جائے گا کہ یہ مشارکہ کا نظام خراب ہے۔ بلکہ اس مسئلہ کا تعلق ان انسانوں کی خرابی سے ہے جو اس نظام پر عمل کر رہے ہیں۔ان عمل کرنے والوں کے اندر اچھے اخلاق، دیانت اور امانت نہیں ہے،اور اس کی وجہ سے مشارکہ کے نظام میں یہ خطرات موجود ہیں کہ لوگ بینک سے مشارکہ کی بنیاد پر پیسے لے جائیں گے اور پھر کاروبار میں نقصان دکھا کر بینک کے ذریعہ ڈیپازیٹر کو نقصان پہنچائیں گے۔

اس دشواری کا حل

لیکن یہ مسئلہ کوئی نا قابل حل مسئلہ نہیں ہے اور ایسا مسئلہ نہیں ہے کہ اس کا حل نہ نکالا جا سکے۔اگر کوئی ملک اس مشارکہ کے نظام کو اختیار کرے تو وہ بآسانی یہ حل نکال سکتا ہے کہ جس کے بارے میں یہ ثابت ہو کہ اس نے بد دیانتی سے کام لیا ہے اور اپنے اکاؤنٹس صحیح بیان (Declare) نہیں کئے ،تو حکومت ایک مدت دراز کے لئے اس کو بلیک لسٹ (Black list) کر دے ،اور آئندہ کوئی بینک اس کو فائنانسنگ کی کوئی سہولت فراہم نہ کرے۔اس صورت میں لوگ بد دیانتی کرتے ہوئے ڈریں گے۔آج بھی جوائنٹ اسٹاک کمپنیاں کام کر رہی ہیں،اور وہ اپنے بیلنس شیٹ (balance Sheet) شائع کرتی ہیں۔اور اس بیلنس شیٹ میں اگرچہ بد دیانتی بھی ہوتی ہے لیکن اس کے باجود اس میں وہ اپنا نفع ظاہر کرتی ہیں۔اس لئے اگر مشارکہ کو پورے ملکی سطح پر اختیار کریں تو اس حل کو اختیار کیا جا سکتا ہے۔البتہ جب تک مشارکہ کو ملکی سطح پر اختیار نہیں کیا جاتا اس وقت تک انفرادی (Individual) اداروں کو مشارکہ پر عمل کرنا دشوار ہے ،لیکن ایسے انفرادی ادارے سلیکٹڈ (Selected) بات چیت کے ذریعہ مشارکہ کر سکتے ہیں۔

دوسری متبادل صورت ''اجارہ''

اس کے علاوہ اسلام کی صورت میں اللہ تعالی نے ہمیں ایک ایسا دین عطا فرمایا ہے کہ اس میں مشارکہ کے علاوہ بینکنگ اور فائنانسنگ کے اور بھی بہت سے طریقے ہیں۔مثلاً ایک طریقہ اجارہ

(Leasinj) کا ہے، وہ یہ ہے کہ ایک شخص بینک سے پیسہ مانگنے آیا، اور بینک نے اس سے پوچھا کہ تمہیں کس ضرورت کے لئے پیسہ چاہئے؟ اس نے بتایا کہ مجھے اپنے کارخانے میں ایک مشینری باہر سے منگا کر لگانی ہے۔ تو اب بینک اس شخص کو پیسہ نہ دے، بلکہ خود اس مشینری کو خرید کر اس شخص کو کرایہ پر دے دے۔ اس عمل کو اجارہ (Leasing) کہا جاتا ہے۔ البتہ آج کل فائنانسنگ اداروں اور بینک میں فائنانشل لیزنگ کا جو طریقہ رائج ہے، وہ شریعت کے مطابق نہیں ہے۔ اس ایگریمنٹ میں بہت سی شقیں (Clauses) شریعت کے خلاف ہیں۔ لیکن اس کو شریعت کے مطابق آسانی کے ساتھ بنایا جاسکتا ہے۔ پاکستان میں متعدد فائنانشل ادارے ایسے قائم ہیں جن میں لیزنگ ایگریمنٹ شریعت کے مطابق ہیں، اس کو اختیار کرنا چاہئے۔

تیسری متبادل صورت ''مرابحہ''

اسی طرح ایک اور طریقہ ہے، جس کا آپ نے نام سنا ہوگا وہ ہے ''مرابحہ فائنانسنگ''۔ یہ بھی کسی شخص سے معاملہ کرنے کا ایک طریقہ ہے جس میں نفع پر وہ چیز بیچ دی جاتی ہے۔ فرض کیجئے کہ ایک شخص بینک سے اس لئے قرض لے رہا ہے کہ وہ خام مال (Raw material) خریدنا چاہتا ہے۔ وہ بینک اس کو خام مال خریدنے کے لئے پیسے دینے کے بجائے وہ خام مال خرید کر اس کو نفع پر بیچ دے۔ یہ طریقہ بھی شرعا جائز ہے۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مرابحہ کی یہ صورت تو ہاتھ گھما کر کان پکڑنے والی بات ہوگئی، کیونکہ اس میں بینک نے نفع لینے کے بجائے دوسرے طریقے سے نفع وصول کرلیا۔ یہ کہنا درست نہیں، اس لئے کہ قرآن کریم نے فرمایا کہ: ''واحل اللہ البیع وحرم الربا'' (سورہ بقرہ: ۲۲۵) یعنی اللہ تعالی نے بیع کو حلال کیا ہے اور ربا کو حرام کیا ہے اور مشرکین مکہ بھی تو یہ کہا کرتے تھے کہ بیع بھی تو ربا جیسی ہے، اس میں بھی انسان نفع کماتا ہے اور ربا میں بھی انسان نفع کماتا ہے، پھر دونوں میں فرق کیا ہے؟ قرآن کریم نے ان کا ایک ہی جواب دیا کہ یہ ہمارا حکم ہے کہ ربا حرام ہے اور بیع حلال ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ روپیہ کے اوپر روپیہ نہیں لیا جاسکتا ہے، اور روپیہ پر منافع نہیں لیا جاسکتا، لیکن اگر درمیان میں کوئی چیز یا مال تجارت آجائے اور اس کو فروخت کرکے نفع حاصل کرے اس کو ہم نے حلال قرار دیا ہے، اور مرابحہ کے اندر درمیان میں مال آجاتا ہے اس لئے شریعت کے اعتبار سے وہ سودا (Transaction) جائز ہوجاتا ہے۔

پسندیدہ متبادل کونسا ہے؟

لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا یہ مرابحہ اور لیزنگ (Leasing) مطلوبہ اور پسندیدہ متبادل (Ideal altermative) نہیں ہے، اوراس سے تقسیم دولت (Distribution of Wealth) پر کوئی بنیادی اثر نہیں پڑتا۔ البتہ پسندیدہ متبادل مشارکہ ہے، لیکن آئندہ جو منفرد (Individual) ادارے قائم کئے جائیں، ان کے لئے آزمائشی اور تجرباتی مدت (Transitory period) میں مرابحہ اور لیزنگ پر بھی عمل کرنے کی گنجائش موجود ہے۔ اوراس وقت بھی کچھ فائنانشیل انسٹیٹیوشن ان بنیادوں پر کام کررہے ہیں۔

بہرحال یہ تو سوداوراس کے متعلقات کے بارے میں عام باتیں تھیں، جو میں نے عرض کردیں۔ سود سے متعلق ایک مسئلہ اور ہے جس کی صدائے بازگشت بار بار سنائی دیتی ہے، وہ یہ ہے کہ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ دارالحرب جہاں غیرمسلم حکومت ہو وہاں سود کے لین دین میں کوئی قباحت نہیں، وہاں غیرمسلم حکومت سے سود لے سکتے ہیں۔ اس مسئلہ پر بھی بہت لمبی چوڑی بحثیں ہوئی ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ چاہے دارالحرب ہو یا دارالاسلام، جس طرح سود دارالاسلام میں حرام ہے اسی طرح دارالحرب میں بھی حرام ہے، البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ عام آدمی کو چاہئے کہ اپنا پیسہ بینک کے اندر کرنٹ اکاؤنٹ میں رکھے، جہاں پیسوں پر سود نہیں لگتا، لیکن اگر کسی شخص نے غلطی سے سیونگ اکاؤنٹ (Saving account) میں پیسے رکھ دئے ہیں اوراس رقم پر سود مل رہا ہے تو پاکستان میں تو ہم لوگوں سے کہہ دیتے ہیں کہ سود کی رقم بینک میں چھوڑ دو، لیکن ایسے ملکوں میں جہاں ایسی رقم اسلام کے خلاف کام پر خرچ ہوتی ہے وہاں اس شخص کو چاہئے کہ وہ سود کی رقم بینک سے وصول کرکے کسی مستحق زکوٰۃ شخص کو ثواب کی نیت کے بغیر صرف اپنی جان چھڑانے کے لئے صدقہ کردے اور خود اپنے استعمال میں نہ لائے۔

عصر حاضر میں اسلامی معیشت کے ادارے

ایک بات اور عرض کردوں، وہ یہ کہ یہ کام نسبتاً ذرا مشکل لگتا ہے لیکن اس کے باوجود ہم مسلمانوں کو اس بات کی پوری کوشش کرنی چاہئے کہ ہم خود ایسے مالیاتی ادارے قائم کریں جو اسلامی بنیادوں پر کام کریں اور جیسا کہ میں نے ابھی آپ کے سامنے عرض کیا کہ مشارکہ، مرابحہ اور لیزنگ کی مکمل اسکیمیں موجود ہیں اوران بنیادوں پر مسلمان اپنے ادارے قائم کرسکتے ہیں، اور یہاں کے مسلمان ماشاء اللہ اس بات کو سمجھتے

ہیں اور اس میں خود ان کے مسائل کا بھی حل ہے، ان کو چاہئے کہ یہاں رہ کر فائنانشیل انسٹیٹیوٹ قائم کریں۔ امریکہ میں میرے علم کے مطابق کم از کم ہاؤسنگ کی حد تک دو ادارے موجود ہیں اور وہ صحیح اسلامی بنیادوں پر کام کر رہے ہیں۔ ایک ٹورنٹو میں اور ایک لاس اینجلس میں ہے۔ اب ان اداروں کی تعداد میں اضافہ ہونا چاہئے اور مسلمانوں کو اپنے طور پر ایسے ادارے قائم کرنے چاہئیں، لیکن اس کی بنیادی شرط یہ ہے کہ ماہر فقہاء اور مفتی حضرات سے مشورہ کر کے اس کا نظام قائم کریں۔ اور اس سلسلہ میں اگر آپ مجھ سے بھی خدمت لینا چاہیں گے تو میں ہر قسم کی خدمت کے لئے حاضر ہوں۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ اس وقت دنیا میں تقریباً سو ادارے کام کر رہے ہیں، اور تقریباً ۵ سال سے میں ان اداروں میں خدمت کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ اور مسلمانوں کے لئے کوئی بہتر راستہ اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

☆☆☆

سیدہ امۃ اللہ تسنیم مرحومہ (مرحومہ)

عورتوں کی اخلاقی برائیاں

(دوسری و آخری قسط)

احسان جتانا

عورتوں میں یہ عادت بھی کثرت سے پائی جاتی ہے، دے کر احسان جتانا، احسان کر کے اپنا غلام سمجھ لینا۔ حالانکہ ایسا دینا سب بیکار، اس سے تو نہ دینا بہتر ہے کہ بیچارے غریب کا احسان کے بوجھ سے سر تو نہ جھکتا، شرمندگی نہ ہوتی، یہ بڑی تکلیف دہ بات ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو کام اللہ کے لئے کیا جاتا ہے تو اس میں اللہ سے صلہ ملنے کی تمنا ہوتی ہے اور دنیا سے کوئی غرض نہیں ہوتی مگر جہاں دنیاوی غرض ہوئی وہاں یہی ہوگا کہ دنیا سے اس کا صلہ ملنے کی امید، اور نہ ملے تو تکلیف بھی ہوگی اور زبان سے اس کا اعادہ بھی ہوگا، یہ اتنی بری عادت ہے کہ اس کا حاصل نہ دنیا میں نہ آخرت میں، اللہ تعالی اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُم بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ (آل عمران ۲۶۴)

اے ایمان والو! اپنی خیرات کو احسان جتا کر اور ایذا دے کر اکارت نہ کرو۔

لعن طعن

اسی طرح لعنت کرنا بھی انتہائی سخت اور بیبا کی کی بات ہے، عورتیں کثرت سے لعنت کرتی ہیں اور پھٹکار ڈالتی ہیں، حالانکہ یہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک سخت بات ہے۔

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال :قال رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:ليس المؤمن بالطعان ولا اللعان ولا الفاحش ولا البذیء۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: طعنے دینے والا، لعنت کرنے والا، فحش بکنے والا اور زبان دراز مومن نہیں ہوسکتا (یعنی یہ مومن کی صفات و اخلاق میں سے نہیں ہے)۔

ایک حدیث میں حضرت ابوداؤد سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی کسی پر لعنت

کرتا ہے تو وہ لعنت آسمان پر جاتی ہے، آسمان کے سب دروازے بند ہو جاتے ہیں تو پھر وہ لعنت زمین پر اتر تی ہے تو زمین کے دروازے بھی اس پر بند ہو جاتے ہیں، پھر وہ دائیں بائیں پھرتی ہے اور جب کہیں راستہ نہیں پاتی تو جس پر لعنت کی گئی تھی اگر وہ لعنت کے قابل ہوتا ہے تو اس پر پڑتی ہے ورنہ پلٹ کر لعنت کرنے والے پر آ پڑتی ہے۔

لعنت کرنے والوں کو ایک بڑی محرومی سے سابقہ کرنا پڑیگا، وہ محرومی یہ ہوگی کہ قیامت کے دن کسی کی شفاعت نہ کر سکیں گے اور نہ گواہ بن سکیں گے۔

قسمیں کھانا

قسمیں بھی آج کل عام ہو گئیں ہیں، اسکی اہمیت دلوں سے بالکل جاتی رہی، بات بات پر قسم کھانا بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ اپنے اوپر دن میں نہ جانے کتنی قسمیں چڑھا لیتی ہیں، پھر اس کی ذرہ برابر فکر نہیں کہ کفارہ واجب ہوا یا نہیں۔ افسوس ہے کہ کتنے گناہ ایسے ہیں جو دن رات ہم سے صادر ہوتے رہتے ہیں اور ہمیں کچھ خبر نہیں، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا عَقَّدتُّمُ الْأَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ذَٰلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ وَاحْفَظُوا أَيْمَانَكُمْ (سورۂ مائدہ ۱۲)

اللہ تعالی تمہاری لایعنی قسموں کو نہیں پکڑتا لیکن وہ تمہاری ان قسموں پر مواخذہ کرتا ہے جن کو تم مضبوط کر لو، تو اس کا کفارہ دس مسکینوں کو اوسط درجہ کا کھانا دینا ہے، جیسا تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو یا ان کو کپڑے پہنانا ہے یا ایک غلام آزاد کرنا اور اگر یہ میسر نہ ہو تو تین دن روزے رکھے، جب تم قسم کھا بیٹھو اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ یہ آیت لا یواخذکم اللہ۔۔۔۔۔ ان لوگوں کے بارے میں اتری جو ہر بات پر واللہ باللہ کہا کرتے ہیں (صحیح بخاری)۔

اللہ تعالی یہ فرمائے اور یہاں یہ حالت ہے کہ بات بات پر دلیری سے قسمیں کھائی جاتی ہیں اور کفارہ کی فکر تو کیا پرواہ بھی نہیں، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ایک مرتبہ اپنے بھانجے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے ناراض ہو کر قسم کھائی کہ اس سے بات نہ کروں گی، پھر سب کی انتہائی سعی و کوشش اور بھانجے کی

بیقراری نیز اس حدیث سے ڈر کر جو کسی مسلمان سے تین دن سے زائد بو چال بند رکھے گا اور اسی حالت میں مرجائے گا وہ دوزخ میں جائیگا قسم توڑ دی اور اس کے کفارے میں چالیس غلام آزاد کئے، پھر بھی جس وقت قسم توڑنے کا خیال آتا تھا تو اس قدر روتی تھیں کہ آنسوؤں سے آنچل تر ہوجاتا تھا۔ اور اب تو قسم کھانا اور توڑ دینا کوئی بات ہی نہیں، اصل یہ ہے کہ نہ اللہ تعالی کی عزت ہے نہ اس کے ناموں کی وقعت۔

قسم کھانے کے بعد نیکی کی بات دیکھ کر اس کو اختیار کرنے کا حکم حدیث میں آیا ہے، حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ بن جندب ؓ کہتے ہیں: کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر تم کسی بات پر قسم کھالو پھر اس سے بہتر بات دیکھو تو اس کو اختیار کرلو اور قسم کا کفارہ دیدو۔ (بخاری ومسلم)

اور اس طرح اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے کی قسم کھانے کی ممانعت حدیث میں آئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو کعبہ کی قسم کھاتے سنا تو فرمایا: اللہ کے سوا کسی کی قسم نہ کھاؤ، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ جو اللہ تعالی کے سوا کسی کی قسم کھائے تو اس نے کفر کیا یا شرک کیا۔ (سنن ترمذی)

جھوٹ

جھوٹ بھی آج کل اس طرح رائج ہوگیا ہے کہ ہنر میں داخل ہوگیا، بات بات پر جھوٹ بولنا اور جھوٹی قسمیں کھانا انتہائی مبالغہ سے کام لینا کھیل تماشہ ہے حالانکہ جھوٹ ایسی چیز ہے جو تمام برائیوں کی جڑ ہے، ہر برائی کا پیش خیمہ ہے۔

ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھ میں یہ خصلتیں ہیں، چوری، شراب، اور جوا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جھوٹ چھوڑ دو، وہ چلا گیا لیکن دل میں سوچتا تھا کہ ایک جھوٹ چھوڑ دینے سے دوسری برائیاں کیسے جاسکتی ہیں۔ رات آئی، چوری کا ارادہ کیا لیکن معاً یہ خیال پیدا ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پوچھیں گے تو جھوٹ بولنا پڑے گا غرض ایک جھوٹ کے ڈر سے اس کی سب برائیاں چھوٹ گئیں۔

حقیقت میں جھوٹ ایسی چیز ہے کہ جو اس سے نہ بچا وہ کسی برائی سے نہ بچا، پھر جھوٹ بولنے والے کا اعتبار نہیں ہوسکتا، مگر اب حال یہ ہے کہ اعتبار کھوئے، ذلیل ہونا پڑے، خواہ کچھ ہو لیکن جھوٹ نہ چھوٹے کیونکہ وہ ایسا ہنر ہے جس سے فانی دنیا کی ہر چیز حاصل ہوتی ہے، ذلت ہو تو ہو، اعتبار جائے تو جائے، چند دن یا چند گھنٹہ کا فائدہ تو ہوگیا۔ جھوٹے شخص کا انجام بڑا خراب ہوتا ہے۔ اور ایک حدیث میں سچے شخص اور جھوٹے

شخص کے انجام کو اس طرح بیان کیا گیا ہے: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سچائی نیکی کی طرف مائل کرتی ہے، اور نیکی جنت میں لے جاتی ہے۔ اور آدمی سچ بولتے بولتے اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑا سچا اور راست باز شمار ہو جاتا ہے، اور جھوٹ گناہ پر مائل کرتا ہے اور گناہ دوزخ میں لے جاتا ہے۔ اور آدمی جھوٹ بولتے بولتے اللہ کے یہاں بڑا دروغ گو لکھ لیا جاتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

اور حدیث میں منافق کی نشانیوں میں جھوٹ بھی بتایا گیا ہے، اور قران مجید میں جھوٹ بولنے والول پر لعنت بھی کی گئی ہے اس لئے اس برائی سے بہت زیادہ بچنے کی ضرورت ہے۔ (سنن ترمذی)

شرک وبدعت اور رسم ورواج

یہ مرض بھی خاص عورتوں کا ہے، اس میں شدت سے مبتلا ہیں کہ فرض قضا ہو جائے لیکن شرک و بدعت کا کوئی شوشہ نہ چھوٹے، حالانکہ شرک و بدعت کے بارے میں قرآن وحدیث میں ایسی وعیدیں آئی ہیں کہ دل والے تو تھرا اٹھیں، مگر ان سے ڈرے کون؟ مسجدیں سونی پڑی ہیں اور قبریں سجدہ گاہ بنی ہیں، اللہ کو جو خالق و مالک ہے بھول گئے اور بزرگوں پر جان ودل سے قربان، ان سے سوال بھی ہو رہے ہیں، ان کے نام کی نذر ونیاز بھی ہو رہی ہے، قبروں پر منت کی چادریں بھی چڑھ رہی ہیں، یہ سب کچھ ہوتا ہے اور پانچ وقت کی نماز جو فرض ہے وہ ادا نہیں ہو سکتی بدعت کو لیجئے کونڈے بھرے جاتے ہیں، شب برات کے حلوے کا ناغہ نہ ہو محرم میں کھچڑا ضرور پکے، گیارہویں کو پلاؤ زردہ پکایا جائے مگر بقرعید کے دن جو قربانی فرض ہے اس کے لئے پیسہ نہیں عقیقہ کے لئے ایک بکری مشکل ہے، ہم نے مانا کہ اس میں مردوں کا بھی ہاتھ ہے لیکن عورتیں اس کام کو چھوڑ دیں اور بضد ہو جائیں تو سب مرد راہ راست پر آجائیں، مگر یہ ساری خرابیاں عورتوں ہی کی ذات سے ہیں عورتیں ہی زیادہ تر اس معاملہ میں پکڑی جائیں گی اور شرک جیسا گناہ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تمام گناہوں کو معاف کر دیگا، لیکن شرک معاف نہ کریگا، اور بدعت کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نے دین میں نئی بات ایجاد کی وہ ہم سے نہیں ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حوض کوثر پر لوگوں کو پانی پلائیں گے اور بدعتیوں سے منھ پھیر لیں گے۔

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے بہتر کلام اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور بہتر طریقہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ ہے اور برے کام نئی باتیں ہیں، اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ (مسلم)

اور اللہ تعالیٰ نے صاف ارشاد فرمادیا: ما فرطنا فی الکتاب من شئی (سورۂ انعام) ہم نے

کتاب میں کسی چیز کی کمی نہیں کی، اور فرمایا: اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (آج ہم نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کا اتمام کر دیا اور تمہارے لئے بطور دین اسلام پر راضی ہو گیا۔ سورۂ مائدہ)

اسی طرح رسم و رواج کی پابندی ہے کہ رسم ضرور ادا کریں خواہ چوری کریں ڈاکہ ڈالیں، رشوت لیں، سود لیں لیکن رسموں میں فرق نہ آئے، یہ آج رسم و رواج کی وجہ سے گھرانوں کے گھرانے تباہ و کنگال ہو گئے لیکن اس تباہی پر آنکھیں بھی نہیں کھلتیں۔

شگون و فال

عورتیں ہی اس مرض میں مبتلا ہیں، الو بولا تو وہ سہمیں، کوا سر پر بیٹھا تو سمجھیں کہ بس اب موت ہے کوا دیوا پر بولا تو شگون لیا، ٹونے، ٹوٹکے، تعویذ گنڈے، مان دان غرض کہ ان کی پوری زندگی اسی کے نذر ہو جاتی ہے۔ پھر جیسا عقیدہ ہوتا ہے ویسا ہی اللہ تعالیٰ کر بھی دیتا ہے۔ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: انا عند ظن عبدی بی۔ ہم بندے کے گمان کے ساتھ ہیں (جیسا وہ گمان کرتے ہیں ویسا ہی ہم معاملہ کرتے ہیں)

ایک مجلس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میری امت کے ستر ہزار آدمی بے حساب و کتاب جنت میں جائیں گے لوگوں کو حیرت ہوئی کہ وہ کون لوگ ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ھم الذین لا یرقون وَ لَا یَسْتَرْقُوْنَ وَلَا یَتَطَیَّرُوْنَ وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

یہ وہ لوگ ہیں جو پھونک جھاڑ نہیں کرتے ہیں اور نہ کرواتے ہیں اور نہ فال لیتے ہیں۔ اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدشگونی کو اچھا نہیں سمجھا ہے سنن ابوداؤد میں حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شگون بد نہیں لیتے تھے۔

اور عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: شگون بد لینے کی کوئی حقیقت نہیں۔ (بخاری و مسلم)

فیشن پرستی

باریک لباس تو اس قدر عام ہو گیا ہے کہ جس کو دیکھو وہی زیب تن کئے ہوئے ہے، ہر نت نئے فیشن بدل کر اور باریک سے باریک کپڑا پہن کر بے دھڑک بغیر برقع کے گھر سے نکلنا، بازاروں کے صدقہ ہونا، گلی کوچوں کی خاک اڑانا، نئے انداز سے سڑکوں پر چلنا، بے حیائی، بے حجابی کے ساتھ غیر مردوں سے ملنا، ہنستی

کھلتی ایک طرف سے آنا اور دوسری طرف سے نکل جانا انہیں عورتوں کے بارے میں ہے۔حضرت ابو ھریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللہِ صَلَّى اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صِنْفَانِ مِنْ أَهْلِ النَّارِ لَمْ أَرَهُمَا قَوْمٌ مَعَهُمْ سِيَاطٌ كَأَذْنَابِ الْبَقَرِ يَضْرِبُونَ بِهَا النَّاسَ وَنِسَاءٌ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ مُمِيلَاتٌ مَائِلَاتٌ رُءُوسُهُنَّ كَأَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْمَائِلَةِ لَا يَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يَجِدْنَ رِيحَهَا وَإِنَّ رِيحَهَا لَيُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ كَذَا وَكَذَا (صحیح مسلم)

وہ عورتیں جو ظاہر میں کپڑا پہنتی ہیں مگر حقیقت میں ننگی ہیں مائل کرنے والیاں مائل ہونے والیاں، ان کے سر بختی اونٹ کے جھکے ہوئے کوہان کی طرح ہیں ایسی عورتیں نہ جنت میں جائیں گی نہ اس کی خوشبو پائیں گی، اگرچہ اس کی خوشبو دور سے پہنچتی ہے۔

خدا معلوم زمانہ کتنی کروٹیں بدل چکا ہے، انقلاب پر انقلاب آئے لاکھوں بستیاں اجڑ گئیں، سیکڑوں مکانات منہدم ہو گئے، سیکڑوں بستیاں زلزلہ اور طوفان سے الٹ پلٹ گئیں، مگر واہ رے دل آاس میں تغیر نہ آیا، یہ اپنی جگہ اٹل ہے وہی معصیت و نافرمانی، وہی خدا فراموشی، وہی ذوق وشوق، وہی سیر وتفریح۔کل کی بات ہے بارش کی فراوانی اور دریا کی طغیانی نے کتنی جانیں تلف کیں، کتنا مال واسباب ضائع ہوا، کتنے مکانا نیست ونابود ہو گئے، کتنے انسان بے خانماں برباد ہو گئے، فاقے کئے، مصیبتیں جھیلیں، کیسی عبرت کا مقام تھا لیکن بجائے عبرت وسبق حاصل کرنے کے، سیر وتفریح کی شائق، ان بیکس انسانوں کی مصیبتوں کو تماشہ سمجھ کر اس ہولناک منظر کا تماشہ دیکھنے کے لئے جوق در جوق نکل آئیں اور ہر ایسے مقام پر ٹھٹ لگ گئے جہاں سے ان بیکسوں کو مدد پہنچائی جا رہی تھی۔لوگ اس وقت مدد پہنچا رہے تھے اور یہ خارج ہو رہی تھیں۔

☆☆☆

مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی
ترتیب وپیشکش: محمد اختر معروفی

انسانی سیرت وکردار کی چند خوبیاں (سورۂ یوسف کی روشنی میں)

(دوسری اور آخری قسط)

۸) بلند مقام پر ہوتے ہوئے عام لوگوں کے ساتھ شفقت اور تواضع سے پیش آنا

آٹھویں چیز جو یوسف علیہ السلام کی زندگی سے اور ان کی سیرت وسوانح سے سیکھنی چاہئے وہ یہ ہے کہ اتنی عظیم الشان ہستی بن جانے کے بعد بھی کمزوروں کے ساتھ ان کا برتاؤ کیسا تھا، چھوٹوں کے ساتھ ان کا محبت وشفقت بھرا سلوک کیسا تھا، ذرا سوچئے کہ کیا مقام ہے ان کا، وہ کتنے پاک صاف، کتنے پاک دامن، کتنے اللہ سے جڑے ہوئے تھے اور بھیج دئے گئے جیل میں چوروں اور ڈاکوؤں کے درمیان، سماج کے بہت ہی گرے ہوئے طبقے کے لوگوں کے درمیان یوسفؑ رہ رہے ہیں، اب انھیں میں سے لوگ آکر آپ سے بات کرتے ہیں تو یوسفؑ کتنی تواضع سے، کس قدر برادرانہ دوستانہ انداز سے بات کرتے ہیں، ایسا نہیں لگتا کہ چھٹے آسمان پر بیٹھے ہوئے کوئی صاحب بیان فرما رہے ہیں، دو آدمی آکر خواب کی تعبیر پوچھتے ہیں، آپ ان سے کہتے ہیں کہ ''لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقَانِهِ إِلَّا نَبَّأْتُكُمَا بِتَأْوِيلِهِ'' بیٹھو، اطمینان سے بیٹھو، کھانا آنے سے پہلے میں تم لوگوں کو خواب کی تعبیر بتادوں گا، اطمینان رکھو۔ بہت ہی بے تکلف گفتگو کی اور پھر بتاتے ہیں کہ میں تو ایسی قوم کے درمیان پیدا ہوا تھا جن کے خیالات مجھے اچھے نہیں لگے، ان کا طرز زندگی اچھا نہیں لگا، میں نے ان کو چھوڑا اور اللہ کے پیغمبر ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کے راستہ کو میں نے اپنایا۔

آپ غور کریں کیا عجیب بات ہے کہ وہ خود تو پیدا ہوئے تھے نبیوں کے گھر میں، لیکن اس کے باوجود وہ کہہ رہے ہیں: ''إِنِّي تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ'' میں نے اس قوم کا مذہب اور تہذیب چھوڑ دیا جو اللہ پر ایمان نہیں لائے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کوئی مسلمان کے گھرانے میں پیدا ہو جائے اس سے وہ مسلمان نہیں ہوتا، شعوری طور پر مسلمان بننا پڑے گا، یوسفؑ نے کہا کہ میں اس لئے اس راستہ پر نہیں ہوں کہ میں نبیوں کی اولاد ہوں، میں اسی گھر میں پیدا ہوا، بلکہ میں نے غور کر کے اُس کو چھوڑا اور اِس کو اپنایا ہے، تو اگر نبیوں کی اولاد کو بھی غور کر کے چھوڑنا اور اپنانا پڑتا ہے تو ہمیں اور آپ کو بھی غور کر کے چھوڑنا اور اپنانا پڑے گا۔

اور یہ غور کرنے کا وقت ہے، یہ سوچنے کا وقت ہے، آپس میں اس موضوع پر گفتگو کا وقت ہے کہ اسلام کا نظام بہتر ہے یا دنیا کا اور نظام بہتر ہے؟ اللہ تعالیٰ مواقع فراہم کر رہا ہے، ایسے واقعات اللہ تعالیٰ کی کتاب تقدیر سے رونما ہو رہے ہیں، ابہترین موقع ہے کہ ہم اس موقع پر غور کریں اور اپنے ایمان کو اور اپنے علم کو بڑھائیں، اپنے عمل کو ٹھیک کریں، لوگوں کے ساتھ ان کا جو سلوک تھا اسی سلوک کی وجہ سے جیل کے قیدیوں نے ان سے یہ کہا تھا کہ ''إِنَّا نَرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ'' ہم جیل میں صاف دیکھ رہے ہیں کہ آپ ہم سب سے الگ ہیں، آپ بہت ہی نیک اور احسان کرنے والے لوگوں میں ہیں، اس لئے ہم آپ کے پاس اس خواب کی تعبیر پوچھنے آئے ہیں، یہ معاشرہ اپنی درندگی اور ننگے پن سے اب تنگ آنے لگا ہے، اللہ جلد وہ دن لائے کہ ہمارا یہ معاشرہ بھی ہر مسلمان کو دیکھ کر کہے: ''إِنَّا نَرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ۔ حضرت یوسف علیہ السلام انتہائی معزز خاندان کے ایک نہایت شریف اور معزز فرد ہونے کے باوجود اپنے ان دونوں قیدیوں سے یہ کہہ کر مخاطب ہوتے ہیں کہ یاصاحبی السجن...... اے میرے جیل کے ساتھیو! یہ بڑی عظیم خصلت ہے اور ہر قسم کے غرور و تکبر سے دل کے صاف ہونے کی کھلی علامت!

(۹) بدلہ لینے کی طاقت کے باوجود معاف کردینا

نویں چیز بدلہ لینے اور سزا دینے اور انتقام لینے کی پوری طاقت کے باوجود معاف کردینا۔ سب جانتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام کے پاس پوری طاقت آگئی تھی، وہ طاقتور ترین حکمراں بن گئے تھے، اور جن بھائیوں نے ان کے ساتھ یہ سلوک کیا تھا وہ ان کے پاس اس پوزیشن میں آئے تھے کہ یوسفؑ جیسے چاہتے ان سے بدلہ لے لیتے، جس طرح چاہتے بدلہ لے کر اپنے دل کی بھڑاس نکال لیتے، لیکن جب موقع آیا تو اس

وقت انھوں نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا کہ ''لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ '' آج کوئی بدلہ تم سے نہیں لیا جائے گا، کوئی ملامت بھی نہیں ہوگی، میں تو صرف اتنا کہوں گا ''يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ '' اللہ تم کو معاف کردے ''وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ '' اور وہ سب سے بڑا مہربان ہے، مجھے امید ہے کہ وہ معاف کردے گا۔

ہم میں سے ہر ایک کی زندگی میں اکثر و بیشتر کچھ ایسے واقعات ہوتے ہیں جس میں ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ ہمارے ساتھ زیادتی ہوئی ہے اور بعض وقت ایسا بھی موقع آتا ہے کہ ہم اس زیادتی کا بدلہ لے سکتے ہیں، یوسفؑ کی شخصیت ہمیں یہ پیغام دیتی ہے کہ تم بدلہ مت لینا، معاف کردینا اور یہ کہہ دینا کہ اللہ تمہیں معاف کرے۔

(۱۰) اپنی خوشی میں خاندان والوں کو شریک کرنا

جب یوسف علیہ السلام کی زندگی میں خوشیوں کے دن آئے، عزت کے دن آئے، آرام اور راحت کے دن آئے تو انھوں نے بالکل دیر نہیں کی، بلکہ اپنے پورے خاندان والوں کو بلا کر ان خوشیوں اور عزت اور آرام و راحت میں شریک کرنے کا ہر ممکن اہتمام کیا، یہ نہیں کیا کہ اکیلے اکیلے وہ مصر کے وزیر اعظم بنے رہیں اور ان کے بوڑھے ماں باپ، ان کے گھر والے، ان کی بھابھیاں، ان کے بھانجے بھتیجے، ان کے ددیہال اور ننیہال کے رشتہ دار سب گاؤں میں غربت میں پڑے ہیں، جیسے ہی یوسف علیہ السلام کو موقع ملا پہلی فرصت میں انھوں نے اپنے پورے خاندان کو گاؤں سے شہر میں بلوالیا اور سرکاری اعزاز کے ساتھ بلوایا، بہت آرام و راحت کے ساتھ ان کو رکھا، بہت ہی عزتوں سے نوازا، یہ انسان کے عالی ظرف ہونے کی دلیل ہے، جو انسان کم ظرف ہوتا ہے، چھوٹی طبیعت کا ہوتا ہے، وہ جب خود غربت سے نکل کر ذرا آرام اور آسائش کی زندگی میں آتا ہے تو وہ اپنے گاؤں کے رشتہ داروں سے رشتہ ناطہ توڑ لیتا ہے، اپنے کو بھول جاتا ہے، ان کو حقیر سمجھتا ہے اور اکیلے اکیلے مزے لوٹتا ہے، اپنے پورے خاندان کو اس میں شریک نہیں کرتا، یہ علامت ہے اس بات کی کہ یہ انسان شریف انسان نہیں ہے، یہ علامت ہے اس بات کی کہ یہ انسان ایک پست اور ذلیل طبیعت کا انسان ہے۔ مگر حضرت یوسفؑ نے پورے خاندان کو شریک کیا۔ لہٰذا ہر وہ انسان جس کے حالات زندگی کسی وجہ سے بدل گئے اور خوشحالی اس کے گھر میں آگئی اب وہ اس سے یہ سبق سیکھ سکتا ہے کہ جہاں تک ہو سکے میں اپنے رشتہ داروں اور خاندان کے لوگوں کو زیادہ سے زیادہ اس سکھ میں

شریک کروں، یہ یقیناً سیکھی جانے کی چیز ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا کہ: ''وَأْتُونِي بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِينَ'' سارے خاندان کو لے کر آؤ۔

(۱۱) اپنی بات کہنے پر مکمل قدرت کی ضرورت

ان کی شخصیت سے جو گیارہویں بات سیکھی جانی چاہئے وہ ہے اچھی طرح بات کرنے پر قدرت، communicatoin skills جب بادشاہ سے ان کی تنہائی میں گفتگو ہوئی تو قرآن کہتا ہے: ''فَلَمَّا كَلَّمَهُ قَالَ إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ أَمِينٌ'' جب خواب کی تعبیر یوسف علیہ السلام نے بتائی پھر بادشاہ کی طرف سے جو تعبیر پوچھنے گئے تھے واپس آئے اور انھوں نے واپس آکر بادشاہ کو بتایا کہ انھوں نے یہ تعبیر بتائی ہے تو بادشاہ نے کہا کہ بھائی اس طرح بالواسطہ تعبیر سننے سے کام نہیں چلے گا، میں حکم دیتا ہوں کہ جیل سے اسے رہا کرا کر یہاں لاؤ، یوسفؑ کے پاس پیغام پہنچا کہ بادشاہ نے آپ کی رہائی کا حکم دے دیا اور بلایا ہے تو یوسفؑ نے کہا تھا کہ نہیں، میں ایسے نہیں نکلوں گا، جو الزام میرے اوپر لگا کر مجھے جیل میں ڈالا گیا تھا پہلے اس کی انکوائری کی جائے، تب میں آؤں گا، بادشاہ کو چونکہ جلدی تھی تو اب fast track court کی ضرورت پڑی، کہ اب عام کورٹ سے کام نہیں چلے گا، تو بادشاہ نے ساری فائلیں خود ہی اپنے یہاں طلب کرلیں اور خود اپنے شاہی محل میں عدالت قائم کی اور خود مقدمہ کی سماعت شروع کی، جس کی پوری تفصیل بیان کر چکا ہوں، اب fast track court میں مقدمہ شروع ہوا، پہلے شہر کی عورتوں کو بلایا گیا جنھوں نے اس پورے معاملہ میں خوب مرچ مسالہ ڈالا تھا اور یوسفؑ کو بدنام کرنے میں بڑا زبردست کردار ادا کیا تھا، تو پہلے ان کو اس فاسٹ ٹریک کورٹ میں بلایا گیا کہ کیا کہتی ہو اب، مجھے سچ سچ بتاؤ کہ کیا ماجرا ہے؟ تو انھوں نے صاف صاف اقرار جرم کرلیا کہ کوئی قصور یوسف کا نہیں ہے، وہ بالکل بے گناہ ہیں، مجرم تو ہم تھے، ہم اس کا اعتراف کرتے ہیں، اب بادشاہ نے وزیر اعظم کی بیوی سے پوچھا اب تم اپنا بیان دو، کیونکہ اصل معاملہ تو وہیں سے شروع ہوا تھا، تو بیوی نے بھی صاف صاف کہہ دیا: ''الْآنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ أَنَا رَاوَدتُّهُ عَن نَّفْسِهِ وَإِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ'' اب سچائی واضح ہو چکی ہے، میں نے ہی بہکانے کی کوشش کی تھی، یوسف کی طرف سے کوئی بات ہی نہیں تھی، یوسف بالکل پاک دامن ہیں، اصل مجرم میں ہوں، اس کے بعد عدالت کی پوری کارروائی ہوئی اور فیصلہ ہو گیا کہ یوسف بالکل بری ہیں اور الزام غلط ثابت ہو گیا۔

اب یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ قانون کا مزاج تو یہ ہونا چاہئے کہ اگر کسی پر کوئی الزام لگائے اور وہ الزام ثابت نہ ہو تو الزام لگانے والے کو سزا ملنی چاہئے، میں نے یہ نہیں کہا کہ قانون کا مزاج یہ ہے، میں نے یہ کہا کہ قانون کا مزاج یہ ہونا چاہئے، آپ دیکھیں کہ ہمارے ملک میں کس قدر اندھا قانون ہے، پولس جس پر چاہے جو چاہے الزام لگا دے، اس کے نتیجہ میں دس سال پندرہ سال وہ جیل میں سڑ جائے اور اس کے بعد جا کر ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ سے وہ انسان بری ہو اور عدالت عالیہ کا فیصلہ ہو کہ جرم ثابت نہیں ہوسکا۔ ہمارے ملک کا کوئی قانون کسی پولس آفیسر کو اس سلسلہ میں سزا نہیں دلواتا، یہ سو فیصد ظالمانہ قانون ہے، سو فیصد جارحیت اور دہشت گردی پر مبنی قانون ہے، ہونا تو یہ چاہئے کہ الزام لگانے والے کا الزام اگر ثابت ہو گیا تو سزا دی جائے گی مجرم کو اور اگر الزام ثابت نہیں ہوا تو سزا دی جائے گی جھوٹا الزام لگانے والے کو، اس کا مطلب یہ ہوا کہ مصر کا وہ معاشرہ ہمارے ملک کے موجودہ معاشرہ سے زیادہ civilized تھا، زیادہ ترقی یافتہ تھا، اس کی دلیل یہ ہے کہ بادشاہ نے اس کے بعد یہ کہا: ''يُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هَٰذَا وَاسْتَغْفِرِي لِذَنبِكِ إِنَّكِ كُنتِ مِنَ الْخَاطِئِينَ'' یہ بادشاہ کا ججمنٹ ہے، یہ بادشاہ کا recommendatoin اور سفارش ہے، ذرا غور کریں ملزم بالکل بری ہے، یوسف بالکل بری ہیں، اب مسئلہ یہ پیش آ گیا کہ اس وقت کے مصری قانون کے لحاظ سے ان سب کو جیل میں ڈالنا چاہئے تھا، کیونکہ ان سب نے یوسفؑ پر جھوٹا الزام لگایا تھا، مگر بادشاہ سلامت مصر کی ایک نئی تاریخ شروع کرنا چاہتا ہے، بادشاہ ماضی کو بھول کر مستقبل کی طرف دوڑنا چاہتا ہے، وہ اپنے ملک میں ایک نیا دور لانا چاہتا ہے، تو بادشاہ نے یوسف سے کہا کہ یوسف! اب تمہارے ہاتھ میں معاملہ ہے، اگر معاف کر سکتے ہو تو معاف کر دو تو ان کو کوئی سزا دینے کی کوئی ضرورت نہیں اور ان لوگوں سے جن لوگوں نے جھوٹا الزام لگایا تھا، خاص طور پر وزیر اعظم کی بیوی سے کہا کہ تم اپنی غلطی کی معافی مانگو، یوسف سے کہا کہ تم معاف کر دو اور اس سے کہا کہ تم معافی مانگو، میں اس نتیجہ تک پہنچ گیا ہوں کہ اس مقدمہ میں غلطی تمہاری تھی نہ کہ یوسف کی، تم مجرم ہو۔ تو یوسفؑ نے اس کے جواب میں کہا تھا کہ ''ذَٰلِكَ لِيَعْلَمَ أَنِّي لَمْ أَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي كَيْدَ الْخَائِنِينَ وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي'' یعنی اے بادشاہ میں نے کسی کو سزا دلوانے کے لئے اس طرح اصرار نہیں کیا تھا، میں نے صرف اس لئے ایسا کیا تھا کہ یہ بات جان لی جائے کہ میں نے کسی کی امانت میں کوئی خیانت نہیں کی اور میں یہ بات بھی سب کے سامنے ثابت

کرنا چاہتا تھا کہ جھوٹ کے ہاتھ پاؤں نہیں ہوتے، ایک نہ ایک دن آ کر جھوٹ جھوٹ ثابت ہوتا ہے، اوراللہ کا نظام بے ایمانوں کی سازشوں کو چلنے نہیں دیتا، وہ ناکام کر کے رہتا ہے، بس ان باتوں کے مقصد سے میں نے اصرار کیا تھا، میری طرف سے کسی کو سزا دینے کی کوئی درخواست نہیں۔ یہ ہے قانون ذرا غور کریں لوگ کہتے ہیں کہ دنیا ترقی پر ہے، دنیا کہاں ترقی پر ہے؟ دنیا ترقی پر ہے اس اعتبار سے کہ پل بہت بن رہے ہیں، ہوائی جہاز پہ سوار ہو رہے ہیں، لیکن جہاں تک انسانیت کا سوال ہے تو انسانیت کہاں ترقی پر ہے؟ مصر کے قانون میں یہ بات صاف تھی کہ جھوٹا الزام لگانے والے کو سزا دی جائے گی، آج کی دنیا کے قانون میں اس کی کوئی گنجائش نہیں، سرکاری آدمی اگر الزام لگائے گا اس پر کبھی کوئی قانون نہیں لاگو ہو سکتا، یہ کتنا اندھا قانون ہے؟ اسی لئے تو ہمارے ملک میں ساری ایجنسیاں اور ساری پولس اس قدر ڈھیٹ ہو گئی، اسے پتہ ہے کہ ہمارا کوئی بال بیکا نہیں کر سکتا ہے، ہم ہزاروں لوگوں کو ان کی بے گناہی کے باوجود جیل میں ڈال دیں تو بھی کوئی قانون ہم کو چیلنج کر ہی نہیں سکتا۔

اب ذرا اسلامی تہذیب کو دیکھیں، اسلامی تہذیب میں ایک جرم ہے ''حدِ قذف'' اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی کے اوپر بدکاری کا الزام لگا دیا کہ اس نے فلاں کی عزت لوٹی ہے، اس نے اس کے ساتھ زنا کیا ہے، اس نے اس کے ساتھ بدکاری کی ہے، تو یہ مسئلہ آسانی سے قبول نہیں کر لیا جائے گا، الزام لگانے والے کو اس کو ثابت کرنا پڑے گا، اور اسلام نے اس کو اتنا مشکل کر دیا کہ زنا کے الزام کو ثابت کرنا تقریباً ناممکن ہے، کیوں؟ اس لئے کہ اس میں شریعت نے چار گواہ مانگے ہیں، یہ عجیب وغریب بات ہے، دنیا کے اور جرموں کے سلسلہ میں دو گواہ کافی ہیں، بہت سے معاملات میں ایک گواہ کافی ہے، جس کی تفصیلات حدیث اور فقہ کی کتابوں میں موجود ہیں، یہاں صرف اتنا سن لیں کہ زنا کے معاملہ میں چار گواہ چاہئیں، اور وہ گواہ بھی ایسے کہ وہ چاروں گواہ چشم دید گواہی دیں اور بدکاری اور زنا کا جو آخری مرحلہ ہوتا ہے، جس میں ایک مرد پوری طرح ہمبستری کرتا ہے، ایک عورت کے ساتھ intercourse (عملِ مباشرت) کرتا ہے، اس پوری تفصیل کو چشم دید گواہی کے ساتھ بیان کرنا پڑے گا، تب جا کر حدِ زنا جاری کی جائے گی، سنگسار کیا جائے گا۔ اب ظاہر ہے کہ جو انسان ایسی کھلی ہوئی جگہ پر کسی غیر عورت کے ساتھ یہ کام کر رہا ہے جس کو چار لوگوں نے تفصیل سے دیکھا اور عدالت میں ثابت کیا، ایسا انسان انسان ہے یا جانور؟ لوگ شور مچاتے ہیں کہ اسلام میں سزائیں بہت سخت ہیں، اب تو انشاء اللہ وہ شور کم ہو رہا ہے، بلکہ ان سخت سزاؤں

کے مطالبے کا شور بڑھ رہا ہے

جو چپ رہے گی زبانِ خنجر لہو پکارے گا آستیں کا

میں سچ عرض کرتا ہوں اور بار بار کہتا ہوں کہ انسانیت کو اللہ تعالی اسلام کی طرف کھینچ کر لا رہے ہیں ، دیر اس لئے لگ رہی ہے کہ انسانیت کو اسلام کی طرف لانے کے لئے امت ابھی تک تیار نہیں ہے، ورنہ ایک ایک زبان سے وہ باتیں نکل رہی ہیں کہ ان کو یہ نہیں پتہ کہ وہ کیا باتیں کہہ رہے، وہ اس سزا کا مطالبہ کر رہے ہیں جو بہت پہلے پندرہ سو سال پہلے نبی امی محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں کی آبرو کی حفاظت کے لئے پیش کی تھیں، ان درندہ صفت مردوں کو جو سخت ترین سزائیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کی طرف سے امت کے اندر پیش کیں آج تم انہیں سزاؤں کا مطالبہ کر رہے ہو،..... ہمارے دلوں میں ان تمام بچوں اور بچیوں کے ساتھ شدید دکھ ہونا چاہئے جن کی پوری دنیا میں روزانہ عزتیں لوٹی جا رہی ہیں، ایک ایک آدم کی بیٹی کی عزت کے لوٹے جانے کی خبر سن کر ہمیں بے چین ہو جانا چاہئے ،ہمیں تڑپ جانا چاہئے ،کل ربیع الاول کا مہینہ شروع ہو رہا ہے، کاش کہ یہ ربیع الاول کا مہینہ اس طور پر منایا جاتا کہ ہر ہر مسلمان اپنے محلے کے اندر، اپنے خاندان کے اندر، اپنے شہر کے اندر یہ طے کرتا کہ یہ ربیع الاول کا مہینہ عورتوں اور بچیوں کی عزت اور آبرو کی حفاظت کا مہینہ ہوگا، اس لئے کہ یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بہت بڑا تحفہ ہے،عورتوں کی عزتیں پہلے لوٹی جا رہی تھیں اور اب بھی لوٹی جا رہی ہیں،صرف اس لئے کہ اب اس دور کا انسان نہیں پہچان پا رہا ہے اپنے سب سے بڑے خیر خواہ محمد رسول اللہ کو۔

بات ذرا آگے بڑھ گئی، مجھے یہاں جس پہلو کی طرف خاص طور سے توجہ دلانا تھا وہ یہ ہے کہ جب یوسف علیہ السلام کی براءت اور پاکدامنی بالکل ثابت ہوگئی تو بادشاہ نے تنہائی میں ان سے گفتگو کی، اور اس گفتگو سے بادشاہ اِس قدر متاثر ہوا کہ فوری طور پر اس نے ایک بہت بڑا فیصلہ لے لیا، اور یوسف علیہ السلام سے کہہ دیا کہ آج سے تم میرے سب سے زیادہ قریبی اور معتمد شخص ہو، —— تفسیر کی کتابوں میں سابقہ صحیفوں کے حوالے سے اس گفتگو کی جو تفصیل لکھی گئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ نے تمام حکومتی اختیارات اسی وقت یوسف علیہ السلام کو پیش کر دیئے —— اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ صاف ستھری سیرت

کے ساتھ خیر خواہانہ مزاج اور مثبت اور ہمدردانہ طرز کلام کتنی بڑی نعمت ہے؟

(۱۲) مسائل کے حل کے لئے عمدہ تدابیر اختیار کرنا

آخری اور بارہویں بات یوسفؑ کی شخصیت سے جو سیکھنی ہے وہ یہ ہے کہ مسائل کے حل کے لئے بہت ہی اچھی تدبیروں کو اختیار کیا جائے، مصر میں قحط پڑ رہا تھا، انھوں نے اس کی تدبیر بتائی، تعویذ نہیں لکھی، تدبیر بتائی کہ سات سال تک اب جو غلہ پیدا ہو اس میں سے جتنے غلّے کی ضرورت ہو اتنا ہی بالیوں سے نکالیں اور باقی غلہ کو بالیوں کے اندر باقی رہنے دیں تاکہ اس میں کیڑے نہ پڑیں، غلہ خراب نہ ہو، اور وہ اسٹور کیا جاسکے، اور جب اگلے سات سال وہ آئیں جس میں قحط پڑے گا، تو یہ غلہ جو پچھلے سات سال کی پیداوار ہے جو ہر سال غلہ استعمال سے بچا، اس کو استعمال کرتے رہنا۔ تو یہ ایک بہترین professional ترکیب ہے، انسانیت کو بھک مری سے بچانے کی ایک سائنٹفک تدبیر ہے، پتہ یہ چلا کہ ہم کو اس سے یہ سیکھنا چاہئے کہ ہم جب اپنے انفرادی اور اجتماعی مسائل کو حل کریں تو ہم بہت ہی محنت کے ذریعہ اور صحیح تدبیروں کے ذریعہ کوشش کریں، اللہ تعالیٰ نے ہم کو عقل دی ہے، ہاتھ پیر دئے ہیں، انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت دی ہے، لہٰذا اپنے مسائل کے حل کے لئے ہم تدبیریں کریں، اللہ سے دعا بھی مانگیں اور جو اللہ تعالیٰ نے ظاہری تدبیریں اتاری ہیں ان تدبیروں کو بھی اختیار کریں، جب ہمارے اندر یہ صفات پیدا ہوں گی تب اللہ تعالیٰ زمین کا اقتدار ہمارے حوالے کرے گا، ورنہ ابھی تو عجیب حال ہے، یا دنیا کے نشے میں لوگ مست ہیں یا دین کی غلط سمجھ کے نتیجہ میں لوگ مست ہیں۔

ایک شہر میں کرفیو لگا، کچھ سمجھدار لوگوں کو مشورہ کے لئے بلا گیا کہ ذرا بیٹھیں اور آپس میں بیٹھ کے طے کریں کہ اس کرفیو کو کیسے اٹھایا جائے اور ضلع انتظامیہ اور پولس کے ذمہ داروں سے کیسے بات کی جائے اور آپس میں جو نفرت اور خوف کی خلیج حائل ہو رہی ہے اسے کیسے دور کیا جائے، تو جن کو آنا تھا وہ آئے اور کچھ لوگوں نے جواب دیا کہ یہ سب کرنے کا وقت نہیں ہے، یہ دعا کرنے کا وقت ہے، اس سے اندازہ ہوا کہ دین کی سمجھ میں کتنی خامی ہے، کتنی کمی ہے، اللہ کے بندو! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کس موقع پر صرف دعا مانگی اور کوئی تدبیر نہیں کی؟ یہ امت کیوں تقسیم ہوگئی ہے تدبیر والوں میں اور دعا والوں میں، جو تدبیر کرتے ہوئے نظر آتے ہیں وہ دعا کرتے ہوئے نظر نہیں آتے اور جو دعا کرتے ہوئے نظر آتے ہیں وہ تدبیر کرتے ہوئے نظر نہیں آتے۔

بدر کے میدان میں تدبیر بھی کی گئی تھی اور دعا بھی کی گئی تھی، احد کے میدان میں تدبیر بھی کی گئی تھی اور دعا بھی کی گئی تھی اور تدبیر کی ہی ایک غلطی کی وجہ سے ساری جنگ ہار گئے، تو یہ دونوں چیزیں ساتھ ساتھ چلتی ہیں، یہی تو اسلام کی خوبصورتی ہے۔ جنگ کے میدان میں صحابۂ کرام کے سامنے ایک مسئلہ یہ آتا تھا کہ نماز کا وقت آجائے تو نماز کیسے پڑھیں تو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جنگ کے دوران نماز با جماعت پڑھنے کا طریقہ سکھایا، جس کو کہتے ہیں صلوۃ الخوف، مسئلہ یہ تھا کہ صحابہ اس پر کیسے راضی ہوتے کہ آدھے لوگ تو لڑتے رہیں اور آدھے لوگ رسول اللہ کے پیچھے نماز پڑھیں، ہر صحابی کہتے کہ تم تو لڑو میں حضور کے پیچھے نماز پڑھوں، کیا پتہ کہ یہ زندگی کی آخری نماز ہو، تو اللہ تعالیٰ نے عجیب ترکیب سکھائی کہ آدھے لوگ تیار ہو جائیں، ہتھیار لے لیں اور وہ دفاعی ہتھیار لگا کر محمد رسول اللہ کے پیچھے ایک رکعت پڑھیں اور ایک رکعت پڑھنے کے بعد وہ پیچھے ہٹ جائیں، نماز میں ہی جاکر اپنی اپنی پوزیشن سنبھالیں اور فوج کا مقابلہ کریں، اور جو اب تک لڑ رہے تھے وہ آئیں اور آکر دوسری رکعت میں اللہ کے رسول کے پیچھے کھڑے ہو جائیں اور یہ ایک رکعت حضور کے پیچھے پڑھ لیں، اب اس کے بعد یہ پیچھے جائیں اور وہ پہلی جماعت بیچ میں اتنے گیپ کے باوجود اپنی دوسری رکعت پوری کرے، اور اس کے بعد جب وہ پوری کر کے میدان میں چلے جائیں تو یہ اپنی دوسری رکعت پوری کریں، عجیب طریقہ کی نماز ہے، میں حیران ہوں اللہ تعالیٰ کی شریعت کی حکمتوں پر، اگر آپ نے یہ سکھایا ہوتا کہ بھائی! کرنے والی ذات تو اللہ کی ہے، اور نماز سے فیصلے اترتے ہیں، لہٰذا سب چھوڑ و نماز پڑھو، مدد تو اللہ نماز پر کریں گے، تو سب کو نماز پڑھوا دی گئی ہوتی اور اللہ یقیناً اس پر قادر ہے لیکن دیکھیں دونوں کام ساتھ ساتھ ہو رہا ہے، یہی تو اسلام کا حسن ہے کہ اسباب بھی بھرپور اختیار کرو اور بھروسہ قطعا اسباب پر مت کرو، بھروسہ اللہ کی مدد پر کرو۔ حضرت مولا الیاسؒ کیا خوبصورت بات کہتے تھے، کہتے تھے کہ کوشش اور محنت تو اس طرح کیا کرو جیسے وہ شخص کرتا ہے جس کا کوئی یقین دعا پر نہیں ہوتا، وہ جانتا ہی نہیں اللہ کو، اس کا سارا یقین اپنی کوشش پر اور اپنے زورِ بازو پر ہوتا ہے، اور اس کوشش کے کرنے کے بعد دعا اس طرح مانگا کرو جیسے کوئی لولا لنگڑا، اندھا، بہرا، اپاہج انسان اپنے بستر پر لیٹے لیٹے دعا مانگے اور یوں اللہ سے کہے کہ اللہ! میں تو دیکھ بھی نہیں سکتا، سن بھی نہیں سکتا، بول بھی نہیں سکتا، چل بھی نہیں سکتا، چھو بھی نہیں سکتا، میں تو کوئی کوشش کر بھی نہیں سکتا، میں تو معذور ہوں، اللہ! آپ ہی کرنے والے ہیں، کر دیجئے، دعا اس طرح

مانگا کرو جیسے یہ معذور مانگتا ہے، اور اسباب ایسے اختیار کیا کرو جیسے کوئی دہریہ اور ملحد اسباب اختیار کرتا ہے، یہ ملفوظات میں چھپا ہوا ہے، یہ ہے دعوت وتبلیغ کا مزاج، یہ ہے حضرت مولانا الیاسؒ کی فہم دین، جو سو فیصد قرآنی فہم دین ہے، جو سو فیصد نبوی فہم دین ہے، ہم اپنی کاہلی اور سستی کے بہانے تلاش کرنے لگتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اللہ کرے گا، نہیں بھائی! دونوں چیزیں بالکل ساتھ ہیں، دیکھئے یوسف علیہ السلام نے بہترین تدبیر اختیار کی، قوم کو بھکمری سے بچانے کی بہترین کوشش کی، اور دراصل اسی کوشش کے نتیجہ میں اللہ تعالی نے ان کو اس قوم کی حکمرانی دے دی۔ اللہ تعالی ان اشاروں کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

دیکھئے یہ جو بارہ باتیں میں نے گنائی ہیں یہ چیزیں اپنے اندر پیدا کرنے کی ضرورت ہے، جتنی باتیں ان میں سے یاد رہ جائیں آپس میں ان کا مذاکرہ کریں، یہ ہیں انسانی جواہر، یہ ہیں انسانی سیرت وکردار کی خوبیاں، اور یہ ہے سورہ یوسف کا پیغام، یہ ہے سیرت یوسف کا پیغام ہم سب کے نام، یہ وہ واقعہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں انسانی تاریخ کا سب سے بہتر واقعہ قرار دیا ہے، اللہ تعالی اب تک کی غفلت اور کوتاہی کو معاف کر دے اور اپنی زندگی کو اس اسوۂ یوسفی سے سجانے کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

☆☆☆

رحمان فاؤنڈیشن

تعارف وخدمات ایک نظر میں

محترم قارئین!

۱۹۹۵ء میں جب کہ ہمارا ملک بابری مسجد کی شہادت کے بعد نفرت اور خوف کی آگ میں جھلس رہا تھا، حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ کے مشورہ سے اور عارف باللہ حضرت مولانا قاری صدیق احمد باندویؒ کے شدید اصرار پر مدیر الفرقان مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی مدظلہ نے یہ ادارہ، مختلف شعبوں میں خدمت خلق کے مقصد سے قائم کیا تھا، اللہ کا شکر ہے کہ تب سے اب تک یہ ادارہ خاموشی کے ساتھ اپنے مشن میں لگا ہوا ہے۔ شدید اختصار کے ساتھ اس کی حالیہ خدمات کا ذیل میں ذکر کیا جا رہا ہے۔

۱۔طبی امداد: فی الحال تین کلینک ادارہ کے ماتحت چل رہے ہیں۔جن میں ایک لکھنؤ میں اور دو مہاراشٹر کے اس علاقے میں جہاں آج کل محترم مدیر الفرقان کا قیام ہے۔دو میں سے ایک اسی گاؤں ''ممداپور'' میں ہے جہاں خانقاہ نعمانیہ ہے، اور دوسرا اس سے کچھ فاصلے پر واقع گاؤں ''دامت'' میں ہے، ان دونوں مقامات پر ایک بھی ڈاکٹر موجود نہیں تھا، اس کلینک کے کھل جانے سے مقامی مسلم وغیر مسلم سبھی لوگوں کو بہت راحت ملی۔

۲۔تعلیم: اس شعبہ کے تحت جو ادارے چل رہے ہیں۔ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔**دارارقم**، جامع مسجد، جہانگیر آباد، ضلع بارہ بنکی (یوپی)۔اس مدرسہ میں ایک سو بیس بچے حفظ وناظرہ (مع تجوید اور ضروری بنیادی تعلیم) حاصل کر رہے ہیں۔بچے غریب گھرانوں کے ہیں، اور سب کے قیام وطعام (اور بسا اوقات علاج وغیرہ) کا انتظام مدرسہ ہی کے ذمہ ہے، مدرسہ کے سالانہ اخراجات گیارہ لاکھ روپے ہیں۔مدرسہ کی مستقل عمارت ابھی تک نہ ہونے کی وجہ سے بچوں کا قیام مسجد اور ایک تہہ خانے ہی میں رہتا ہے جس میں برسات کے موسم میں پانی بھر جاتا ہے۔ایک عمارت کی شدید ضرورت ہے۔جس کا کام شروع بھی کرا دیا گیا ہے، عمارت کا تخمینہ ساٹھ لاکھ روپے (60,00,000) ہے۔

۲۔ممداپور نیرل (مہاراشٹر) میں واقع ''**معہد الامام ولی اللہ الدھلوی للدراسات الاسلامیہ**'' بھی رحمان فاؤنڈیشن ہی کا ایک شعبہ ہے۔اس ''معہد'' میں فارغ التحصیل نوجوان علماء کو دو سالہ ایسے تکمیلی اور تربیتی نظام سے گذارا جاتا ہے جس سے وہ اسلاف کے طریقہ کے پابند رہتے ہوئے اور دور جدید کے مزاج اور نفسیات کی بھی رعایت کرتے ہوئے قرآن وحدیث اور شریعت اسلامی کی بہتر تفہیم وتشریح کے لائق بنیں۔نیز انگریزی، سیاسیات، معاشیات، عالمی تاریخ وجغرافیہ اور کمپیوٹر وغیرہ کی تعلیم بھی ان کو دی جاتی ہے —— تین سال کا تجربہ بتاتا ہے کہ یہ معہد اپنے مقاصد میں بہت اچھی کامیابی حاصل کر رہا ہے اور انشاء اللہ اس کی خصوصی افادیت کو جلد ہی علمی حلقوں میں محسوس کیا جائے گا—— اساتذۂ کرام، طلبۂ عزیز کے قیام وطعام اور ماہانہ وظیفوں میں سالانہ پچیس لاکھ روپے کے اخراجات ہو رہے ہیں۔

۳۔ ہر ماہ ایسے متعدد بچوں اور بچیوں کی تعلیمی فیس کی ادائیگی کے لئے جو مختلف اسکولوں اور کالجوں میں زیر تعلیم ہیں اور جو یا تو یتیم ہیں یا ان کے والدین اپنی غربت کی وجہ سے فیس کی ادائیگی سے قاصر ہیں، تقریباً بیس ہزار روپے دئے جاتے ہیں۔

۴۔ **بیوہ پنشن:** بے سہارا، بیوہ یا مطلقہ خواتین کو بھی ماہانہ پنشن کے طور پر ایک رقم دی جاتی ہے، سال رواں میں اس مد میں تقریباً ایک لاکھ پچیس ہزار روپے خرچ کئے گئے۔

۵۔ **خانقاہ نعمانیہ:** مہاراشٹرا، نیرل میں ایک چھوٹے سے گاؤں مداپور میں ایک اصلاحی، دینی، روحانی اور تربیتی مرکز قائم ہے، جہاں حضرت مدیر الفرقان کا مسلسل قیام رہتا ہے، مسلسل مہمانوں، سالکین کی آمد رہتی ہے، اہل خیر حضرات کے تعاون سے وہاں کے تمام اخراجات، کی ادائیگی ہوتی ہے۔ کارکنان کی تنخواہ، بجلی، پانی، مہمانوں کی ضیافت وغیرہ میں سالانہ خرچ ہوتے ہیں۔

ہم کارکنان ادارہ امید کرتے ہیں کہ آپ سب ان خدمات کی قبولیت کے لئے دعاؤں کا بھی اہتمام فرمائیں گے اور ان میں زکوۃ وعطیات کے ذریعہ تعاون بھی فرمائیں گے، ہمارے اکاؤنٹ درج ذیل بینکوں میں ہیں:

حضرت قطب الدین مُلّا رحمۃ اللہ علیہ (خلیفہ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ و حضرت مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی دامت برکاتہم) کے شدید اور مسلسل اصرار پر کرناٹک کے شہر بیلگام میں بھی رحمٰن فاؤنڈیشن کی ایک شاخ قائم کی گئی ہے، سالِ گذشتہ سے وہاں کافی تیزی سے بلا تفریق مذہب وملت خدمت کا کام جاری ہے۔ آپ تمام حضرات سے تعاون کی اپیل کی جاتی ہے۔

A/c Holder Name: "RAHMAN FOUNDATION"

1-BANK : ICICI BANK. A/c with BRANCH: HAZRATGANJ LUCKNOW
A/c No.628101100866 (RTGS/NEFT/IFSC code : icici0006281)

2-BANK OF BARODA A/c with BRANCH: BARABANKI
A/c No.25150100008764 (RTGS/NEFT/IFSC code : BARBOBARBAN)

3-BANK OF BARODA A/c with BRANCH: NERAL RAIGAD
A/c No. 37800100001737 (IFSC Code: BARBONERALX)

تمام اکاؤنٹس SAVING BANK ہیں۔ چیک یا ڈرافٹ، صرف "رحمان فاؤنڈیشن" لکھا جائے گا۔ نقد رقم جمع کرنے کی صورت میں تاریخ کو نوٹ ضرور کرلیں، اور رسید کا مطالبہ ضرور کریں۔ چیک یا ڈرافٹ مندرجہ ذیل پتہ پر روانہ کریں۔

RAHMAN FOUNDATION
26, Station Road, Near Vikas Deep Building, Lucknow 226001.
Ph:+91-522-4004726